سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى اپنے رب کے نام کو پاک رکھیئے

مسئلہ: اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف ان ناموں سے پکاریئے جو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بیان فرمائے ہیں یا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلائے ہیں۔ ان کے سوا کسی اور نام سے اس کو پکارنا جائز نہیں۔

مسئلہ: اسی طرح اس حکم میں یہ بھی داخل ہے کہ جو نام اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے وہ کسی مخلوق کے لیے استعمال کرنا اس کی تنزیہ وتقدیس کے خلاف ہے اس لیے جائز نہیں (قرطبی) جیسے رحمٰن، رزاق، غفار، قدوس وغیرہ آج کل اس معاملہ میں غفلت بڑھتی جارہی ہے لوگوں کو ناموں کے اختصار کا شوق ہے۔ عبدالرحمٰن کو رحمٰن، عبدالرزاق کو رزاق، عبدالغفار کو غفار بے تکلف کہتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس کا کہنے والا اور سننے والا دونوں گناہ گار ہوتے ہیں اور یہ گناہ بے لذت رات دن بلاوجہ ہوتا رہتا ہے۔ (سورۃ الاعلیٰ آیت ۱) (معارف القرآن ج ۸ ص ۷۳۲)

مسئلہ: سورہ والضحیٰ سے آخر قرآن تک ہر سورت کے ساتھ تکبیر کہنا سنت ہے اور اس تکبیر کے الفاظ شیخ صالح مصری نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ بتلائے ہیں (مظہری)

ابن کثیرؒ نے ہر سورت کے ختم پر اور بغوی نے ہر سورت کے شروع میں ایک مرتبہ تکبیر کہنے کو سنت کہا ہے (مظہری) ان دونوں میں سے جو صورت بھی اختیار کرے سنت ادا ہوجائے گی۔ واللہ اعلم (سورہ والضحیٰ آیت ۱) (معارف القرآن ج ۸ ص ۷۶۸)

سورۃ التین پڑھتے وقت مسنون کلمہ

مسئلہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سورہ تین پڑھے اور اس آیت پر پہنچے۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ○

تو اس کو چاہئے کہ یہ کلمہ کہے۔

بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ○

اس لیے حضرات فقہاء نے فرمایا کہ یہ کلمہ پڑھنا مستحب ہے۔

(سورۃ التین آیت ۸) معارف القرآن ج ۸ ص ۷۷۷

قرآن کو عملاً متروک کردینا بھی گناہ عظیم ہے

قرآن کو مہجور ومتروک کردینے سے مراد قرآن کا انکار ہے جو کفار ہی کا کام ہے مگر بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جو مسلمان قرآن پر تو ایمان رکھتے ہیں مگر نہ اس کی تلاوت کی پابندی کرتے ہیں نہ اس پر عمل کرنے کی۔ وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں۔

(سورۃ الفرقان آیت ۳۰) (معارف القرآن ج ۶ ص ۴۷۱)۔

مسئلہ: ایصال ثواب کے لیے ختم قرآن پر اجرت لینا باتفاق جائز نہیں۔

علامہ شامیؒ نے درمختار کی شرح میں اور اپنے رسالہ شفاء العلیل میں بڑی تفصیل اور قوی دلائل کے ساتھ یہ بات واضح کردی ہے کہ تعلیم قرآن وغیرہ پر اجرت لینے کو جن متاخرین فقہاء نے جائز قرار دیا ہے۔ اس کی علت ایک ایسی دینی ضرورت ہے جس میں خلل آنے سے دین کا پورا نظام مختل ہوجاتا ہے۔ اس لیے اس کو ایسی ہی ضرورت کے مواقع میں محدود رکھنا ضروری ہے۔

اس لیے مردوں کو ایصال ثواب کے لیے ختم قرآن کرانا یا کوئی دوسرا وظیفہ پڑھوانا اجرت کے ساتھ حرام ہے کیونکہ اس پر کسی عام دینی ضرورت کا مدار نہیں اور اجرت لے کر پڑھنا حرام ہو تو اس طرح پڑھنے والا اور پڑھوانے والا دونوں گناہ گار ہوئے اور جب پڑھنے والے ہی کو کوئی ثواب نہ ملا تو میت کو وہ کیا پہنچائے گا۔

علامہ شامیؒ نے اس بات پر فقہاء کی بہت سی تصریحات تاج الشریعۃ عینی شرح ہدایہ، حاشیہ خیرالدین بر بحرالرائق وغیرہ سے نقل کی ہیں اور خیرالدین رملی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ایصال ثواب کے لیے قبر پر قرآن پڑھوانا یا اجرت دے کر ختم قرآن کرانا صحابہ وتابعین اور اسلاف امت سے کہیں منقول نہیں۔ اس لیے بدعت ہے

(شامی ص ۷۴ ج ۱) (سورۃ البقرہ آیت ۴۱) (معارف القرآن ج ۱ ص ۲۰۸)

عبادت پر اجرت

قرآن مجید کے اشارات اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ کسی عبادت پر اجرت و معاوضہ لینا حرام ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں بروایت عبدالرحمٰن بن شبل منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِقْرَأُوا الْقُرْآنَ وَلَا تَاكُلُوا بِهٖ
"یعنی قرآن پڑھو مگر اس کو کھانے کا ذریعہ نہ بناؤ۔"

اور بعض روایات میں اس معاوضہ کو قطعہ جہنم فرمایا ہے۔ جو قرآن پر لیا جائے۔ اس کی بناء پر فقہاء امت کا اتفاق ہے کہ طاعات و عبادات پر اجرت لینا جائز نہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ صدقات وصول کرنے کا کام ایک دینی خدمت اور عبادت ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک قسم کا جہاد فرمایا ہے۔ اس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ اس پر بھی کوئی اجرت و معاوضہ لینا حرام ہوتا، حالانکہ قرآن کریم کی اس آیت نے صراحۃً اس کو جائز قرار دیا۔ اور زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں اس کو داخل فرمایا۔

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں اس کے متعلق فرمایا کہ جو عبادات فرض یا واجب عین ہیں۔ ان پر اجرت لینا مطلقاً حرام ہے لیکن جو فرض کفایہ ہیں ان پر کوئی معاوضہ لینا اسی آیت کی رو سے جائز ہے۔ فرض کفایہ کے معنی یہ ہیں کہ ایک کام پوری امت یا پورے شہر کے ذمہ فرض کیا گیا ہے۔ مگر یہ لازم نہیں کہ سب ہی اس کو کریں۔ اگر بعض لوگ ادا کر لیں تو سب سبکدوش ہو جاتے ہیں البتہ کوئی بھی نہ کرے تو سب گناہ گار ہوتے ہیں۔

اما قرطبیؒ نے فرمایا کہ اسی آیت سے ثابت ہوا کہ امامت و خطابت کا معاوضہ لینا بھی جائز ہے کیونکہ وہ بھی واجب علی العین نہیں بلکہ واجب علی الکفایۃ ہیں۔ انتہیٰ

اسی طرح تعلیم قرآن و حدیث اور دوسرے دینی علوم کا بھی یہی حال ہے کہ یہ سب کام پوری امت کے ذمہ فرض کفایہ ہیں؟ اگر بعض لوگ کر لیں تو سب سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اگر اس پر کوئی معاوضہ اور تنخواہ لی جائے تو وہ بھی جائز ہے۔

اسی طرح بہت لوگ ناواقفیت سے ان لوگوں کو عاملین صدقہ کے حکم میں داخل سمجھ کر زکوٰۃ ہی کی رقم سے ان کی تنخواہ دیتے ہیں، یہ نہ دینے والوں کے لیے جائز ہے۔ نہ لینے والوں کے لئے۔' (سورۃ توبہ آیت ۶۰) معارف القرآن حصہ چہارم ص ۳۹۹ تا ۴۰۰

زکوٰۃ کی فوری تملیک ضروری ہے

بہت سے ادارے زکوٰۃ فنڈ وصول کر کے اس کو سالہا سال رکھے رہتے ہیں اور اصحاب زکوٰۃ سمجھتے ہیں کہ ہماری زکوٰۃ ادا ہو گئی حالانکہ ان کی زکوٰۃ اس وقت ادا ہو گی جب ان کی رقم مصارف زکوٰۃ میں صرف ہو جائے۔

دعویٰ اور دعوت میں فرق

مسئلہ: ایسے کام کا دعویٰ کرنا جس کے کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو تو یہ گناہ کبیرہ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب ہے کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ کا مصداق یہی ہے اور جہاں یہ صورت نہ ہو بلکہ ارادہ کرنے کا ہو وہاں بھی اپنی قوت و قدرت پر بھروسہ کر کے دعویٰ کرنا ممنوع و مکروہ ہے۔

دعویٰ اور دعوت میں فرق مذکورہ تفسیر سے یہ معلوم گیا کہ ان آیات کا تعلق دعوے سے ہے کہ جو کام آدمی کو کرنا نہیں ہے اس کا دعویٰ کرنا اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب ہے۔ رہا معاملہ دعوت و تبلیغ، وعظ و نصیحت کا جو کام آدمی خود نہیں کرتا، اس کی نصیحت دوسروں کو کرے۔ اور اس کی طرف دوسرے مسلمانوں کو دعوت دے وہ اس آیت کے مفہوم میں تو شامل نہیں اس کے احکام دوسری آیات و احادیث میں مذکور ہیں مثلاً قرآن کریم نے فرمایا

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ

یعنی تم لوگوں کو نیک کام کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو کہ خود اس نیکی پر عمل نہیں کرتے۔ اس آیت نے امر بالمعروف اور وعظ و نصیحت کرنے والوں

کو اس بات پر شرمندہ کیا ہے کہ لوگوں کو ایک نیک کام کی دعوت دو اور خود اس پر عمل نہ کرو اور مقصد یہ ہے کہ جب دوسروں کو نصیحت کرتے ہو تو خود اپنے آپ کو نصیحت کرنا اس سے مقدم ہے۔ جس کام کی طرف لوگوں کو بلاتے ہو، خود بھی اس پر عمل کرو لیکن یہ نہیں فرمایا کہ جب خود نہیں کرتے تو دوسروں کو کہنا بھی چھوڑ دو، اس سے معلوم ہوا کہ جس نیک کام کے کرنے کی خود ہمت و توفیق نہیں ہے۔ اس کی طرف دوسروں کو بلانے اور نصیحت کرنے کا سلسلہ نہ چھوڑے امید ہے کہ اس وعظ و نصیحت کی برکت سے کسی وقت اس کو عمل کی توفیق ہو جائے، جیسا کہ بکثرت تجربہ و مشاہدہ میں آیا ہے البتہ اگر وہ عمل واجب یا سنت مؤکدہ کے درجہ میں ہے تو آیات مذکورہ پر نظر کر کے اپنے نفس میں نادم و شرمندہ ہونے کا سلسلہ جاری رکھنا بھی واجب ہے۔ اور اگر مستحبات کے متعلق ہے تو یہ سلسلہ ندامت بھی مستحب ہے۔ (معارف القرآن ص ۴۲۴ تا ۴۲۵ ج ۸)

دعوت و تبلیغ کے بعض آداب

انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا اہم پہلو یہ تھا کہ وہ حق بات کو مسلسل کہتے اور پہنچاتے ہی رہتے تھے۔ لوگوں کا انکار و تکذیب ان کے اپنے عمل اور اپنی لگن میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتا تھا۔ آج بھی دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کو اس سے سبق لینا چاہیے۔ (سورۃ القصص آیت ۵۱ معارف القرآن ص ۶۳۳ ج ۶)

تبلیغ و دعوت کے اہم اصول

اگر کوئی شخص کسی ایسی جماعت کو دعوت دینے کا خواہشمند ہو جو عقائد و نظریات میں اس سے مختلف ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مختلف العقیدہ جماعت کو صرف اس چیز پر جمع ہونے کی دعوت دی جائے جس پر دونوں کا اتفاق ہو سکتا ہے (سورہ آل عمران آیت ۶۴ معارف القرآن ص ۸۷ ج ۲)

○☆○

حقانیت اسلام کو دلائل کے ساتھ سمجھانا علماء دین کا فرض ہے

اگر کوئی کافر مسلمانوں سے مطالبہ کرے کہ مجھے حقانیت اسلام دلیل سے سمجھاؤ تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کا مطالبہ پورا کریں اور حقانیت اسلام کو دلائل سے سمجھانا علماء دین کا فرض ہے۔ (سورۃ توبہ آیت ۱۱ معارف القرآن ص ۳۱۸ ج ۴)

کسی دنیاوی مکان کا نام دار السلام رکھنا منع ہے

دنیا میں کسی گھر کا نام دار السلام رکھنا مناسب نہیں جیسے جنت یا فردوس وغیرہ نام رکھنا بھی درست نہیں۔ (سورہ یونس آیت ۲۵) (معارف القرآن ج ۴ ص ۵۲۹)

تعلیم اور تبلیغ پر اجرت لینے کا حکم

مسئلہ : تعلیم اور تبلیغ پر اجرت لینا درست نہیں ہے۔ اس لیے سلف صالحین نے اجرت لینے کو حرام کہا ہے لیکن متاخرین نے اس کو بحالت مجبوری جائز قرار دیا ہے۔ (سورۃ الشعراء آیت ۱۰) معارف القرآن حصہ ششم ص ۵۳۴

مصلح کا فرض ہے کہ اصلاح کا کام اپنے اہل و عیال سے شروع کرے۔ (سورہ مریم آیت ۵۵) معارف القرآن جلد ۶ ص ۶۴۳)

باب

مسائل تصوف

اپنی مدح سرائی اور عیوب سے پاک ہونے کا دعویٰ جائز نہیں

مسئلہ : اگر مذکورہ عوارض نہ ہوں تو نعمت کے اظہار کے طور پر اپنی صفت بیان کرنے کی اجازت ہے۔ (بیان القرآن) کسی کو اپنی یا دوسروں کی پاکی بیان کرنا جائز نہیں یہ ممانعت تین وجہ سے ہے۔

۱۔ اپنی مدح کا سبب اکثر کبر ہوتا ہے۔ تو حقیقت میں ممانعت کبر سے ہوئی۔

۲۔ یہ کہ خاتمہ کا حال اللہ کو معلوم ہے کہ تقویٰ و طہارت پر ہو گا یا نہیں اس لیے اپنے آپ کو مقدس بتلانا خلاف خوف الٰہی ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس وقت چونکہ میرا نام برہ تھا (جس کے معنی ہیں گناہوں سے پاک) میں نے وہی بتلایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ لَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمُ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِأَهْلِ الْبِرِّ مِنْكُمْ سَمُّوهَا زَيْنَبَ (رواہ بحوالہ مشکوٰۃ) یعنی تم اپنے آپ کی گناہوں سے پاکی بیان نہ کرو۔ کیونکہ یہ علم صرف اللہ ہی کو ہے کہ تم میں سے کون پاک ہے۔ پھر برہ کے بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب نام رکھا۔

(مظہری)

۳۔ ممانعت کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اکثر اوقات اس دعوے سے لوگوں کو یہ وہم ہونے لگتا ہے کہ یہ آدمی اللہ کے ہاں اس لیے مقبول ہے کہ یہ تمام نقائص اور عیوب سے پاک ہے۔ حالانکہ یہ جھوٹ ہے کیونکہ بہت سے عیوب بندہ میں موجود ہوتے ہیں۔ (سورہ نساء آیت ۵۰) بیان القرآن ص ۴۳۰ تا ۴۳۱ معارف القرآن حصہ دوم

کسی مسلمان کی شان میں تمسخر، طعنہ زنی اور برے لقب کی ممانعت

مسئلہ : سورۃ الحجرات آیت ۱۱ تین چیزوں کی ممانعت کی گئی ہے اول کسی مسلمان کے ساتھ تمسخر و استہزاء کرنا۔ دوسرے کسی پر طعنہ زنی کرنا تیسرے کسی کو ایسے لقب سے ذکر کرنا جس سے اس کی توہین ہوتی ہو یا وہ اس سے برا مانتا ہو جیسے کسی کو اندھا، لولا، لنگڑا یا کانا کہہ کر پکارنا۔ یا اس لفظ سے اس کا ذکر کرنا جو کسی شخص کی تحقیر کے لیے استعمال کیا جاتا ہو یا جس نے چوری، شراب، زنا وغیرہ سے توبہ کر لی ہو اس کو چور، شرابی یا زانی کہہ کر پکارنا، اس کو اس کے پچھلے عمل سے عار دلانا اور تحقیر کرنا حرام ہے مگر بعض لوگوں کے ایسے نام مشہور ہو جاتے ہیں جو فی نفسہ برے ہیں مگر وہ بغیر اس لفظ کے پہچانا ہی نہیں جاتا تو اس کو اس نام سے ذکر کرنے کی اجازت پر علماء کا اتفاق ہے بشرطیکہ ذکر کرنے والے کا قصد اس سے تحقیر و تذلیل کا نہ ہو جیسے بعض محدثین کے نام کے ساتھ اعرج یا احدب مشہور ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو جس کے ہاتھ نسبتہً زیادہ طویل تھے۔ ذوالیدین کے نام سے تعبیر فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے دریافت کیا گیا کہ اسانید حدیث میں بعض ناموں کے ساتھ کچھ ایسے القاب آتے ہیں۔ مثلاً حمید الطویل، سلیمان الاعمش، مروان الاصفر وغیرہ تو کیا ان القاب کے ساتھ ذکر کرنا جائز ہے آپ نے فرمایا کہ جب تمہارا قصد اس کا عیب بیان کرنے کا نہ ہو بلکہ اس کی پہچان پوری کرنے کا ہو تو جائز ہے۔ (سورۃ الحجرات آیت ۱۱) (معارف القرآن ۱۱۵ ج ۸ — ملخصاً)

کسی غیر مسلم کے اچھے اوصاف کی مدح کرنا درست ہے

مسئلہ : کسی غیر مسلم کے اچھے اوصاف کی مدح کرنا درست ہے۔
(سورۃ آل عمران آیت ۵۷)(معارف القرآن ج ۲ ص ۹۳)

میانہ روی

مسئلہ : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو یہود کی طرح دوڑنے سے بھی منع کیا جاتا تھا اور نصاریٰ کی طرح بہت آہستہ چلنے سے بھی۔ اور حکم یہ تھا کہ ان دونوں چالوں کی درمیانی چال اختیار کرو۔
(سورۂ لقمٰن آیت ۱۹)(معارف القرآن جلد ہفتم ص ۳۹)

تجسّس کی حرمت

مسئلہ : تجسّس یعنی کسی کے عیب کی تلاش اور سراغ لگانا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کے عیوب کی جستجو نہ کرو۔ کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیوب کی تلاش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے عیب کی تلاش کرتا ہے اور جس کے عیب کی تلاش اللہ تعالیٰ کرے۔ اس کو اس کے گھر کے اندر بھی رسوا کر دیتا ہے۔“

کسی مسلمان کا جو عیب ظاہر نہ ہو اس کی جستجو اور تلاش کرنا جائز نہیں۔

بیان القرآن میں آیا ہے کہ چھپ کر کسی کی باتیں سننا یا اپنے کو سوتا بنا کر باتیں سننا بھی تجسّس میں داخل ہے البتہ اگر کسی سے مضرت پہنچنے کا احتمال ہو اور اپنی یا دوسرے کسی مسلمان کی حفاظت کی غرض سے مضرت پہنچانے والے کی خفیہ تدبیروں اور ارادوں کا تجسّس کرے تو جائز ہے۔ (سورۃ الحجرات آیت ۱۲)(معارف القرآن ص ۱۲۰، ۱۲۱ ج ۸)

ظن کے اقسام و احکام

مسئلہ : امام ابوبکر جصاصؒ نے احکام القرآن میں ایک جامع تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ ظن کی چار قسمیں ہیں ایک حرام ہے۔ دوسری مامور بہ اور واجب ہے تیسری مستحب و مندوب ہے چوتھی مباح اور جائز ہے۔

ظن حرام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی رکھے کہ وہ مجھے عذاب ہی دے گا یا مصیبت ہی میں رکھے گا۔ اس طرح کہ اللہ کی مغفرت اور رحمت سے گویا مایوس ہے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”تم میں سے کسی کو اس کے بغیر موت نہ آنی چاہئے کہ اس کا اللہ کے ساتھ اچھا گمان ہو“ اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد آیا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَنَا عِندَ ظَنِّ عَبدِی بِی یعنی میں اپنے بندے کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا ہوں جیسا وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اس کو اختیار ہے میرے ساتھ جو چاہے گمان رکھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن فرض ہے اور بدگمانی حرام ہے۔

اسی طرح ایسے مسلمان جو ظاہری حالت میں نیک دیکھے جاتے ہیں ان کے متعلق بلا کسی قوی دلیل کے بدگمانی حرام ہے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِیَّاکُم وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکذَبُ الحَدِیثِ یعنی گمان سے بچو کیونکہ گمان جھوٹی بات ہے۔ یہاں ظن سے مراد باتفاق کسی مسلمان کے ساتھ بلا کسی قوی دلیل کے بدگمانی کرنا ہے۔

اور جو کام ایسے ہیں کہ ان میں کسی جانب پر عمل کرنا شرعاً ضروری ہے اور اس کے متعلق قرآن و سنت میں کوئی دلیل واضح موجود نہیں وہاں ظن غالب پر عمل کرنا واجب ہے جیسے باہمی منازعات و مقدمات کے فیصلہ میں ثقہ گواہوں کی گواہی کے مطابق فیصلہ دینا، کیونکہ حاکم اور قاضی جس کی عدالت میں مقدمہ دائر ہے۔ اس پر اس کا فیصلہ دینا واجب اور ضروری ہے اور اس خاص معاملہ کے لیے کوئی نص قرآن و حدیث میں موجود نہیں تو ثقہ آدمیوں کی گواہی پر عمل کرنا اس کے لیے واجب ہے اگرچہ یہ امکان و

احتمال وہاں بھی ہے کہ شاید کسی ثقہ آدمی نے اس وقت جھوٹ بولا ہو' اس لیے اس کا سچا ہونا صرف ظن غالب ہے اور اسی پر عمل واجب ہے۔ اسی طرح جہاں سمت قبلہ معلوم نہ ہو اور کوئی ایسا آدمی بھی نہ ہو جس سے سمت قبلہ معلوم کی جا سکے وہاں اپنے ظن غالب پر عمل ضروری ہے اسی طرح اگر کسی شخص پر کسی چیز کا ضمان دینا واجب ہو تو اس ضائع شدہ چیز کی قیمت میں ظن غالب پر ہی عمل کرنا واجب ہے۔

اور ظن مباح ایسا ہے جیسے نماز کی رکعتوں میں شک ہو جائے کہ تین پڑھی ہیں یا چار تو اپنے ظن غالب پر عمل کرنا جائز ہے اور اگر وہ ظن غالب کو چھوڑ کر امر یقینی پر عمل کرے یعنی رکعت قرار دے کہ چوتھی پڑھ لے تو یہ بھی جائز ہے۔

اور ظن مستحب و مندوب یہ ہے کہ ہر مسلمان کے ساتھ نیک گمان رکھے کہ اس پر ثواب ملتا ہے۔ (سورۃ الحجرات آیت ۱۲)(معارف القرآن ۱۲۹ تا ۱۳۰ ج ۸)

مسئلہ : ہر مسلمان مرد و عورت کے ساتھ اچھا گمان رکھنا واجب ہے جب تک کسی دلیل شرعی سے اس کے خلاف ثابت نہ ہو جائے اور جو شخص بلا دلیل شرعی کے اس پر الزام لگاتا ہے اس کی بات کو رد کرنا اور جھوٹا قرار دینا بھی واجب ہے کیونکہ وہ محض ایک غیبت اور مسلمان کو بلاوجہ رسوا کرنا ہے۔ (مظہری)

لفظ ظن کے معانی

اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا لفظ ظن عربی زبان میں مختلف معانی کے لیے بولا جاتا ہے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ بے بنیاد خیالات کو ظن کہا جاتا ہے آیت میں بھی یہی مراد ہے اور یہی مشرکین مکہ کی بت پرستی کا سبب تھا اسی کے ازالہ کے لیے یہ فرمایا گیا ہے۔ دوسرے معنی ظن کے وہ ہیں۔ جو یقین کے بالمقابل آتے ہیں۔ یقین کہا جاتا ہے اس علم قطعی مطابق الواقع کو جس میں کسی شک و شبہ کی راہ نہ ہو جیسے قرآن کریم یا احادیث متواترہ سے حاصل شدہ علم' اس کے مقابل ظن اس علم کو کہا جاتا ہے جو بے بنیاد خیالات تو نہیں۔ دلیل کی بنیاد پر قائم ہے مگر یہ دلیل اس درجہ قطعی نہیں جس میں کوئی دوسرا احتمال ہی نہ رہے جیسے عام روایات حدیث سے ثابت ہونے والے احکام'

اس لیے قسم اول کے مسائل کو قطعیات اور یقینیات کہا جاتا ہے اور دوسری قسم کو ظنیات اور یہ ظن شریعت میں معتبر ہے قرآن و حدیث میں اس کے معتبر ہونے کے شواہد موجود ہیں اور تمام امت کے نزدیک واجب العمل ہے آیت مذکورہ میں ظن کو جو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ اس سے مراد ظن بمعنی بے بنیاد و بے دلیل خیالات ہیں اس لیے کوئی اشکال نہیں۔

(معارف القرآن ج ۸ ص ۲۰۸'۲۰۹)(سورۂ نجم آیت ۲۸)

غیبت کے احکام

مسئلہ : بچے اور مجنون اور کافر ذمی کی غیبت بھی حرام ہے کیونکہ ان کی ایذا بھی حرام ہے اور جو کافر حربی ہیں اگرچہ ان کی ایذاء حرام نہیں مگر اپنا وقت ضائع کرنے کی وجہ سے پھر بھی غیبت مکروہ ہے۔

مسئلہ : غیبت جیسے قول اور کلام سے ہوتی ہے۔ ایسے ہی فعل یا اشارہ سے بھی ہوتی ہے جیسے کسی لنگڑے کی چال بنا کر چلنا جس سے اسکی تحقیر ہو۔

مسئلہ : بعض روایات سے ثابت ہے کہ آیت میں جو غیبت کی عام حرمت کا حکم ہے یہ مخصوص البعض ہے یعنی بعض صورتوں میں اس کی اجازت ہوگئی ہے مثلاً کسی شخص کی برائی کسی ضرورت یا مصلحت سے کرنا پڑے تو وہ غیبت میں داخل نہیں بشرطیکہ وہ ضرورت و مصلحت شرعاً معتبر ہو۔ جیسے کسی ظالم کی شکایت کسی ایسے شخص کے سامنے کرنا جو ظلم کو دفع کر سکے۔ یا کسی کی اولاد کی بدی کی شکایت اس کے باپ اور شوہر سے کرنا جو ان کی اصلاح کر سکے یا کسی واقعہ کے متعلق فتویٰ حاصل کرنے کے لیے صورت واقعہ کا اظہار یا مسلمانوں کو کسی شخص کے دینی یا دنیوی شر سے بچانے کے لیے کسی کا حال بتانا' یا کسی معاملے میں مشورہ کے متعلق اس کا حال ذکر کرنا' یا جو شخص سب کے سامنے کھلم کھلا گناہ کرتا ہے اور اپنے فسق کو خود ظاہر کرتا پھرتا ہے اس کے اعمال بد کا ذکر بھی غیبت

ے قولہ تعالیٰ: وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا

میں داخل نہیں۔ مگر بلا ضرورت اپنے اوقات ضائع کرنے کی بناء پر مکروہ ہے (یہ سب مسائل بیان القرآن میں بحوالہ روح المعانی بیان کیے گئے ہیں) اور ان سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ کسی کی برائی اور عیب ذکر کرنے سے مقصود اس کی تحقیر نہ ہو بلکہ کسی ضرورت و مجبوری سے ذکر کیا گیا ہو۔ (سورۃ الحجرات آیت ۱۲) (معارف القرآن ج ۸ ص ۱۲۳)

کفارہ مجلس

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے اور اس میں اچھی بری باتیں ہوں تو اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے اگر وہ یہ کلمات پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی سب خطاؤں کو جو اس مجلس میں ہوتی ہیں معاف فرمادیں گے وہ کلمات یہ ہیں۔

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ۔ (رواہ الترمذی) (سورہ طور آیت ۴۸) (معارف القرآن ج ۸ ص ۱۸۷)

مجلس کے آداب

مسئلہ : مجلس کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دو شخصوں کے درمیان بغیر ان کی اجازت کے داخل نہ ہو کہ بعض اوقات دونوں کے یکجا بیٹھنے میں ان کی کوئی خاص مصلحت ہوتی ہے حضرت اسامہ بن زید لیثیؓ کی روایت ابوداؤد و ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لَا یَحِلُّ لِرَجُلٍ اَنْ یُّفَرِّقَ بَیْنَ اثْنَیْنِ اِلَّا بِاِذْنِھِمَا۔

یعنی کسی شخص کے لیے حلال نہیں کہ دو شخص جو ملے بیٹھے ہوں ان کے درمیان تفریق پیدا کرے جب تک کہ ان ہی سے اجازت نہ ملے۔

(سورہ مجادلہ آیت نمبر۱۱) (معارف القرآن ص ۳۴۷ ج ۸)

بُری مجلس سے اٹھنے کا حکم

مسلمانوں کو ہر ایسی مجلس سے کنارہ کشی۔ اختیار کرنی چاہیئے جس میں اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا خلاف شریعت اسلام باتیں ہو رہی ہوں اور اس کو بند کرنا یا کرانا یا کم از کم حق بات کا اظہار کرنا اس کے قبضہ و اختیار میں نہ ہو۔ ہاں اگر ایسی مجلس میں شریک ہو اور ان لوگوں کو حق بات کی تلقین کرے تو مضائقہ نہیں۔

(سورہ انعام آیت ۶۹) (معارف القرآن ج ۳ ص ۳۷۱-۳۷۲)

بُروں کی صحبت سے تنہائی بھلی

اھل باطل کے ساتھ مجالست کی چند صورتیں ہیں۔

اول:۔ ان کے کفریات پر رضا کے ساتھ' یہ کفر ہے۔

دوم:۔ اظہار کفریات کے وقت کراہیت کے ساتھ یہ بلا عذر فسق ہے۔

سوم:۔ کسی ضرورت دنیوی کے ساتھ یہ مباح ہے۔

چہارم:۔ تبلیغ احکام کے لیے یہ عبادت ہے۔

پنجم:۔ اضطرار و بے اختیاری کے ساتھ اس میں معذور ہے امام ابوبکر جصاصؒ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ جس مجلس میں کوئی گناہ ہو رہا ہو تو مسلمان پر نہی عن المنکر کے ضابطہ سے یہ لازم ہے کہ اگر اس کو روکنے کی قوت ہے تو قوت کے ساتھ روک دے۔ اور یہ قدرت نہیں ہے تو کم از کم اس گناہ سے اپنی ناراضگی کا اظہار کرے جس کا اولیٰ درجہ یہ ہے کہ اس مجلس سے اٹھ جائے۔

اسی طرح تفسیر بالرائے کرنے والے کی مجلس میں شرکت جائز نہیں۔ بلکہ گناہ ہے۔ تفسیر بحر محیط میں ابو حیان نے فرمایا کہ جس بات کا زبان سے کہنا گناہ ہے۔ اس کا

؎ اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ وہاں سے اٹھ جائیں اگر وہاں سے اٹھنے میں اپنی جان' مال یا آبرو کا خطرہ ہو تو کسی دوسرے شغل میں لگ جائیں اور ان کی طرف التفات نہ کریں۔

کانوں سے باختیار خود سننا بھی گناہ ہے۔

(سورۂ نساء آیت ۱۴۰)(معارف القرآن ص ۵۸۱، ۵۸۵، ۵۸۶)

فحش اور فضول ناول نہ دیکھنے کا حکم اور اھل باطل کی کتابیں دیکھنا بھی ناجائز ہیں

اس زمانے میں بیشتر نوجوان فحش ناول یا جرائم پیشہ لوگوں کے حالات پر مشتمل قصے یا فحش اشعار دیکھنے کے عادی ہیں۔ یہ سب چیزیں اسی قسم کے حرام میں داخل ہیں اسی طرح گمراہ اھل باطل کے خیالات کا مطالعہ بھی عوام کے لیے گمراہی کا سبب ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ راسخ العلم علماء ان کے جواب کے لیے دیکھیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ (سورہ لقمن آیت ۶)(معارف القرآن ص ۲۳ ج ۷)

ذکر اسم ذات یعنی اللہ اللہ کا تکرار ماموربہ اور عبادت ہے

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ اس میں اشارہ اس طرح نکلتا ہے کہ اسم رب یعنی اللہ اللہ کا تکرار بھی مطلوب و مامور بہ ہے۔ (مظہری)

بعض علماء نے جو صرف اسم ذات اللہ اللہ کے تکرار کو بدعت کہہ دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کو بدعت کہنا صحیح نہیں۔ واللہ اعلم

(سورۃ المزمل آیت ۱۸)(معارف القرآن ص ۵۹۴ ج ۸)

انشاءاللہ کہنے کا حکم

آئندہ کسی کام کے کرنے کو کہنا ہو تو انشاءاللہ کہہ کر اس کا اقرار کرلیا کریں کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت پر موقوف ہے اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ انشاءاللہ

کہنا مستحب ہے دوسرے یہ معلوم ہوا کہ اگر بھولے سے یہ کلمہ کہنے سے رہ جائے تو جب یاد آئے اسی وقت کہہ لے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ معاملات بیع و شرا اور معاہدات میں جہاں شرطیں لگائی جاتی ہیں اور شرط لگانا طرفین کے لیے معاہدہ کا مدار ہوتا ہے۔ وہاں بھی اگر معاہدے کے وقت شرط لگانا بھول جائے تو پھر جب کبھی یاد آئے شرط لگا لے۔ اس مسئلہ : میں بعض فقہاء کا اختلاف بھی ہے جس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

(سورہ کہف آیت ۲۴)(معارف القرآن ص ۵۷ ج ۵)

اکابر علمائے دین کا ادب

مسئلہ : جس طرح تقدم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت میں علمائے دین بحیثیت وارث انبیاء ہونے کے داخل ہیں اسی طرح رفع صوت کا بھی یہی حکم ہے کہ اکابر علماء کی مجلس میں اتنی بلند آواز سے نہ بولے جس سے ان کی آواز دب جائے۔

(سورۃ الحجرات آیت ۲۔ معارف القرآن ص ۱۰۱ ج ۸)

سفر کا ایک ادب

یہ بھی حسن ادب ہے کہ سفر کی ضروری باتوں سے اپنے رفیق اور خادم کو بھی باخبر کردینا چاہیے "متکبر لوگ اپنے خادموں اور نوکروں کو نہ قابل خطاب سمجھتے ہیں نہ سفر کے متعلق کچھ بتاتے ہیں۔ (سورۂ کہف آیت ۶۰) معارف القرآن ج ۵ ص ۵۹۷

کسی ولی کو ظاہر شریعت کے حکم کے خلاف ورزی حلال نہیں

بہت سے جاہل غلط کار تصوف کو بدنام کرنے والے کہتے ہیں کہ شریعت اور چیز

ہے طریقت اور چیز ہے۔ بہت سی چیزیں شریعت میں حرام ہوتی ہیں۔ مگر طریقت میں جائز ہیں اس لیے کسی ولی کو صریح گناہ کبیرہ میں مبتلا دیکھ کر بھی اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کھلا ہوا زندقہ اور باطل ہے (سورہ کہف آیت ۶۵) معارف القرآن ص ۶۰۰ ج ۵)

توریہ کا شرعی حکم

مسئلہ : ضرورت کے مواقع پر توریہ کرنا جائز ہے۔ توریہ ایک تو قولی ہوتا ہے۔ یعنی ایسی بات کہنا جس کا ظاہری مفہوم خلاف واقعہ ہو۔ اور باطنی مراد مطابق واقعہ' اور ایک توریہ عملی ہوتا ہے۔ یعنی ایسا عمل کرنا جس کا مقصد دیکھنے والا کچھ سمجھے اور در حقیقت اس کا مقصد کچھ اور ہو۔ اسے ایہام بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستاروں کو دیکھنا (اکثر مفسرین کے قول کے مطابق) ایہام تھا۔ اور اپنے آپ کو بیمار کہنا توریہ۔ ضرورت کے مواقع پر توریہ کی یہ دونوں قسمیں خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ جس وقت آپ ہجرت کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ اور مشرکین آپ کی تلاش میں لگے ہوئے تھے۔ تو راستے میں ایک شخص نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا کہ "یہ کون ہیں؟"

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جواب دیا۔ "هُوَ هَادٍ يَهْدِيْنِيْ" (وہ میرے راہنما ہیں مجھے راستہ دکھاتے ہیں) سننے والا یہ سمجھا کہ عام راستہ بتانے والا راہنما مراد ہیں۔ اس لیے چھوڑ کر چل دیا۔ حالانکہ حضرت ابو بکرؓ کا مقصد یہ تھا کہ آپؐ دینی اور روحانی راہنما ہیں (روح المعانی)

اسی طرح حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کے لیے جس سمت میں جانا ہوتا مدینہ طیبہ سے نکلتے وقت اس سمت میں روانہ ہونے کے بجائے کسی دوسری سمت میں چلنا شروع فرماتے تھے۔ تاکہ دیکھنے والوں کو صحیح منزل معلوم نہ ہو سکے۔ (صحیح مسلم وغیرہ)

یہ عمل توریہ اور ایہام تھا۔ مزاح اور خوش طبعی کے مواقع پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے توریہ ثابت ہے۔ شمائل ترمذیؒ میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے ایک بوڑھی عورت سے مزاحاً فرمایا "کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی۔" وہ عورت یہ سن کر بہت پریشان ہوئی تو آپؐ نے تشریح فرمائی کہ بوڑھیوں کے جنت میں نہ جانے کا مطلب یہ ہے کہ بڑھاپے کی حالات میں جنت میں نہ جائیں گی ہاں جوان ہو کر جائیں گی۔ (سورہ صٰفّٰت آیت ۸۵ تا ۹۸) (معارف القرآن ج ۷ ص ۴۵۴)

خواب ہر شخص سے بیان کرنا درست نہیں

مسئلہ : حضرت یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو اپنا خواب بھائیوں کے سامنے بیان کرنے سے منع فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خواب ایسے شخص کے سامنے بیان نہ کرنا چاہئے جو اس کا خیر خواہ اور ہمدرد نہ ہو اور نہ ایسے کے سامنے جو تعبیر خواب میں ماہر نہ ہو۔

جامع ترمذی میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچا خواب نبوت کے چالیس اجزا میں سے ایک جز ہے۔ اور خواب معلق رہتا ہے۔ جب تک کسی سے بیان نہ کیا جائے۔ جب بیان کر دیا گیا اور سننے والے نے کوئی تعبیر دیدی تو تعبیر کے مطابق واقع ہو جاتا ہے۔ اس لیے چاہئے کہ خواب کسی سے بیان نہ کرے۔ بجز اس شخص کے کہ جو عالم و عاقل ہو یا کم از کم اس کا دوست اور خیر خواہ ہو۔

نیز ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خواب تین قسم کا ہوتا ہے۔ ایک اللہ کی طرف سے بشارت' دوسرے نفسانی خیالات' تیسرے شیطانی تصورات اس لیے جو شخص کوئی خواب دیکھے اور اسے بھلا معلوم ہو تو اس کو اگر چاہے لوگوں سے بیان کر دے اور اگر اس میں کوئی بری بات نظر آئے تو کسی سے نہ کہے بلکہ اٹھ کر نماز پڑھ لے اور صحیح مسلم کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ برا خواب دیکھے تو بائیں طرف تین مرتبہ پھونک دے اور اللہ سے اس کی برائی سے پناہ مانگے۔ اور کسی سے ذکر نہ کرے۔ تو یہ خواب اس کو کوئی نقصان نہ دے گا۔ وجہ یہ ہے کہ بعض خواب تو شیطانی تصورات ہوتے ہیں وہ اس عمل سے دفع ہو جائیں گے اور اگر سچا خواب ہے تو عمل کے ذریعہ اس کی برائی دور ہو جانے کی بھی امید ہے۔

مسئلہ : جس خواب میں کوئی بات تکلیف و مصیبت کی نظر آئے وہ کسی سے بیان نہ کرے روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممانعت محض شفقت اور ہمدردی کی بناء پر ہے۔ شرعی حرام نہیں، اس لیے اگر کسی سے بیان کردے تو کوئی گناہ نہیں، کیونکہ احادیث میں ہے کہ غزوۂ احد کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری تلوار ذوالفقار ٹوٹ گئی اور دیکھا کہ کچھ گائیں ذبح ہو رہی ہیں، جس کی تعبیر حضرت حمزہؓ کی شہادت اور بہت سے مسلمانوں کی شہادت تھی جو بڑا حادثہ ہے۔ مگر آپؐ نے اس خواب کو صحابہ سے بیان فرمادیا تھا۔ (قرطبی)

شر سے بچانے کے لیے کسی کی بری خصلت بیان کردینا غیبت میں داخل نہیں

مسئلہ : مسلمان کو دوسرے کے شر سے بچانے کے لیے اس کی کسی بری خصلت یا نیت کا اظہار کردینا جائز ہے۔ یہ غیبت میں داخل نہیں مثلاً کسی شخص کو معلوم ہوجائے کہ فلاں آدمی کسی دوسرے آدمی کے گھر میں چوری کرنے یا اس کو قتل کرنے کا منصوبہ بنارہا ہے۔ تو اس کو چاہیے کہ اس شخص کو باخبر کردے، یہ غیبت حرام میں داخل نہیں، جیسا کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام سے اس کا اظہار کردیا کہ بھائیوں سے ان کی جان کا خطرہ ہے۔

مسئلہ : جس شخص کے متعلق یہ احتمال ہو کہ ہماری خوش حالی اور نعمت کا ذکر سنے گا۔ تو اس کو حسد ہوگا۔ اور نقصان پہونچانے کی فکر کرے گا۔ اس کے سامنے اپنی نعمت، دولت و عزت وغیرہ کا ذکر نہ کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنے مقاصد کو کامیاب بنانے کے لیے ان کو راز میں رکھنے سے مدد حاصل کرو۔ کیونکہ دنیا میں ہر صاحب نعمت سے حسد کیا جاتا ہے۔

○☆○

تعبیر کا فوری ظہور لازمی نہیں

مسئلہ : تفسیر قرطبی میں ہے کہ شداد بن الہاد نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کے اس خواب کی تعبیر چالیس سال بعد ظاہر ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ تعبیر کا فوراً ظاہر ہونا کوئی ضروری نہیں۔ (سورۂ یوسف آیت ۵) معارف القرآن حصہ پنجم ص ۱۰ تا ۱۳

لعنت کے احکام

مسئلہ : کسی معین شخص کے بارے میں جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ اس کی موت کفر پر ہوئی ہے۔ اس پر لعنت جائز نہیں اگرچہ وہ فاسق ہی ہو۔ اسی اصول کی بناء پر یزید پر لعنت کرنے سے علامہ شامی نے منع کیا ہے۔ لیکن معین کافر پر جس کی موت کفر پر ہونے پر یقین ہو مثلاً ابوجہل۔ ابولہب پر جائز ہے۔ (شامی ج ۳ ص ۸۳۶)

مسئلہ : کسی کا نام لیے بغیر اس طرح لعنت کرنا جائز ہے کہ ظالموں پر یا جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

مسئلہ : لغۃً لعنت کے معنی اللہ کی رحمت سے دور ہونے کے ہوتے ہیں۔ شرعاً کفار کے حق میں اس کے معنی اللہ کی رحمت سے بعید ہونے کے ہیں۔ اور مومنین کے حق میں ابرار (صلحاء) کے درجہ سے نیچے گرنے کے ہیں۔ (نقلہ الشامی عن القہستانی، ج ۳ ص ۸۳۶) اس لیے کسی مسلمان کے لیے اس کے نیک عمل کم ہوجانے کی دعاء بھی جائز نہیں۔ (معارف القرآن حصہ دوم ص ۴۳۷)

مسئلہ : لعنت کا معاملہ اتنا شدید ہے کہ کسی کافر پر بھی اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ اس کا یقین نہ ہوجائے کہ اس کی موت کفر ہی پر ہوگی۔ تو کسی مسلمان پر یا کسی جانور پر لعنت کیسے جائز ہوسکتی ہے اور عوام اس سے بالکل غفلت میں ہیں۔ خصوصاً عورتیں کہ بات بات پر لعنت کے الفاظ اپنے متعلقین کے متعلق استعمال کرتی ہیں اور

لعنت صرف لفظ لعنت ہی کے کہنے سے نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے ہم معنی جو الفاظ ہیں وہ بھی لعنت ہی کے حکم میں ہیں۔ لعنت کے اصل معنی خدا تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کے ہیں اس لیے مردود، راندۂ درگاہ، اللہ مار، وغیرہ کے الفاظ کہنا بھی لعنت ہی کے حکم میں ہیں۔ (البقرہ آیت ۱۶۱) (معارف القرآن ص ۴۰۵ ج ۱)

باب

احکام التعویذات

سحر کے مسائل شرعیہ

مسئلہ : جس سحر کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ سحر کفر اعتقادی یا عملی سے خالی نہیں۔ تو اس کا سیکھنا اور سکھانا بھی حرام ہے اور اس پر عمل کرنا بھی حرام ہے۔ البتہ اگر مسلمانوں سے دفع ضرر کے لیے بقدر ضرورت سیکھا جائے تو بعض فقہاء نے اجازت دی ہے۔ (شامی۔ عالمگیری)

مسئلہ : تعویذ گنڈے وغیرہ جو عامل کرتے ہیں۔ ان میں بھی اگر جنات و شیاطین سے استمداد ہو تو بحکم سحر ہیں۔ اور حرام ہیں۔ اور اگر الفاظ مشتبہ ہوں۔ معنی معلوم نہ ہوں۔ اور شیاطین اور بتوں سے استمداد کا احتمال ہو تو بھی حرام ہے۔

مسئلہ : قرآن و سنت کے اصطلاحی سحر بابل کے علاوہ باقی قسمیں سحر کی ان میں بھی اگر کفر و شرک کا ارتکاب کیا جائے تو وہ بھی حرام ہیں۔

مسئلہ : اور خالی مباح اور جائز امور سے کام لیا جاتا ہو تو اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس کو کسی ناجائز مقصد کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔

مسئلہ : اگر قرآن و حدیث کے کلمات ہی سے کام لیا جائے۔ مگر ناجائز مقصد کے لیے استعمال کریں تو وہ بھی جائز نہیں۔ مثلاً کسی کو ناحق ضرر پہنچانے کے لیے کوئی تعویذ کیا جائے یا وظیفہ پڑھا جائے۔ اگرچہ وظیفہ اسماء الٰہیہ یا آیات قرآنیہ ہی کا ہو وہ بھی حرام ہے۔ (فتاویٰ قاضی خان و شامی)

(البقرہ آیت ۱۰۲) ص ۲۷۹ تا ۲۸۰ جلد اول۔ معارف القرآن

تسخیر جنّات

مسئلہ : عام طور سے تسخیر جنّات کا عمل کرنے والے عاملین کلمات کفریہ شیطانیہ سے اور سحر سے کام لیتے ہیں۔ جن کو کافر جنّات و شیاطین پسند کرتے ہیں اور ان کے مسخر و تابع ہونے کا راز صرف یہ ہے کہ وہ ان کے اعمال کفریہ شرکیہ سے خوش ہو کر بطور رشوت کے ان کے کچھ کام بھی کر دیتے ہیں اور اسی لیے بکثرت ان عملیات میں قرآن کریم کو نجاست یا خون وغیرہ سے لکھتے ہیں۔ جس سے کفار جن اور شیاطین راضی ہو کر اس کے کام کر دیتے ہیں۔ البتہ ایک شخص ابن الامام کے متعلق لکھا ہے کہ یہ خلیفہ معتضد باللہ کے زمانے میں تھا۔ جنّات کو اس نے اسماء الٰہیہ کے ذریعہ سے مسخر کیا تھا۔ اس میں کوئی بات خلاف شرع نہیں تھی۔ (آکام المرجان، ص ۱۰۰) خلاصہ یہ ہے کہ جنّات کی تسخیر اگر کسی کے لیے بغیر قصد و عمل کے محض منجانب اللہ ہو جائے جیسا کہ سلیمان علیہ السلام اور بعض صحابہ کرام کے متعلق ثابت ہے۔ تو وہ معجزہ یا کرامت میں داخل ہے اور جو تسخیر عملیات کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ اس میں اگر کلمات کفریہ یا اعمال کفریہ ہوں تو کفر، اور صرف معصیت پر مشتمل ہوں تو گناہ کبیرہ ہے۔ اور جن عملیات میں ایسے کلمات استعمال کئے جائیں جن کے معنی معلوم نہیں ان کو بھی فقہاء نے اس بناء پر ناجائز کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان کلمات میں کفر و شرک یا معصیت پر مشتمل کلمات ہوں۔ قاضی بدر الدینؒ نے ''آکام المرجان'' میں ایسے نامعلوم المعنی کلمات کے استعمال کو بھی ناجائز لکھا ہے۔ اور اگر یہ عمل تسخیر اسماء الٰہیہ یا آیات قرآنیہ کے ذریعہ ہو اور اس میں نجاست وغیرہ کے استعمال جیسی کوئی معصیت بھی نہ ہو تو وہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ مقصود اس سے جنّات کی ایذاء سے خود بچنا یا دوسرے مسلمانوں کو بچانا ہو۔ یعنی دفع مضرت مقصود ہو، جلب منفعت مقصود نہ ہو۔ کیونکہ اگر اس کو کسب مال کا پیشہ بنایا گیا۔ تو اس لیے جائز نہیں کہ اس میں استرقاق حُر یعنی آزاد کو اپنا غلام بنانا اور بلا حق شرعی اس سے بیگار لینا ہے۔ جو حرام ہے۔

واللہ اعلم (سورۂ سبا آیت ۱۴) معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۲۶۷

باب

مسائل صلوٰۃ

بیرونی دنیا کے لیے نماز میں بیت اللہ کی سمت کا استقبال کافی ہے

بلاد بعیدہ کے رہنے والوں کے لیے یہ ضروری نہیں کہ عین بیت اللہ کی محاذات پائی جائے بلکہ سمت بیت اللہ کی طرف رخ کر لینا کافی ہے ہاں جو شخص مسجد حرام میں موجود ہے یا کسی قریبی پہاڑ پر بیت اللہ کو دیکھ رہا ہے اس کے لیے خاص بیت اللہ ہی کی طرف رخ کرنا ضروری ہے اگر بیت اللہ کی کوئی چیز بھی اس کے محاذات میں نہ آئی تو اس کی نماز نہیں ہوئی۔ (سورہ بقرہ آیت ۱۴۴) (معارف القرآن ص ۳۶۳ ج ۱)

نماز میں ستر پوشی شرط ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی

جس طرح ننگے طواف کو منع کیا گیا ہے۔ اسی طرح ننگے نماز پڑھنا بھی حرام او، باطل ہے۔ کیونکہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اَلطَّوَافُ

بِالْبَيْتِ صَلٰوةً

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات نے اس کو اور بھی واضح کر دیا۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ کسی بالغ عورت کی نماز بغیر دوپٹے کے جائز نہیں (ترمذی)

نماز میں لباس کے متعلق چند مسائل

ستر جس کا چھپانا انسان پر ہر حال میں اور خصوصاً نماز و طواف میں فرض ہے۔ اس کی حد کیا ہے؟ قرآن کریم نے اجمالاً ستر پوشی کا حکم دے کر اس کی تفصیلات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک اور عورت کا ستر سارا بدن صرف چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں اور قدم مستثنیٰ ہیں۔ روایات حدیث میں یہ سب تفصیل مذکور ہے۔ مرد کے لیے ناف سے نیچے کا بدن یا گھٹنے کھلے ہوں تو ایسا لباس خود بھی گناہ ہے۔ اور نماز بھی اس میں ادا نہیں ہوتی۔ اسی طرح عورت کا سر، گردن یا بازو یا پنڈلی کھلی ہو تو ایسے لباس میں رہنا خود بھی ناجائز ہے اور نماز بھی ادا نہیں ہوتی۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس مکان میں عورت ننگے سر ہو وہاں نیکی کے فرشتے نہیں آتے' عورت کا چہرہ اور ہتھیلیاں اور قدم جو ستر سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے اس کے یہ معنی ہیں کہ نماز میں اس کے یہ اعضاء کھلے ہوں تو نماز میں کوئی خلل نہیں آئے گا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ غیر محرموں کے سامنے بھی وہ بغیر شرعی عذر کے چہرہ کھول کر پھرا کرے یہ حکم تو فریضہ ستر کے متعلق ہے۔ جس کے بغیر نماز ہی ادا نہیں ہوتی۔ اور چونکہ نماز میں صرف ستر پوشی ہی مطلوب نہیں' بلکہ لباس زینت اختیار کرنے کا ارشاد ہے۔ اس لیے مرد کا ننگے سر نماز پڑھنا یا مونڈھے یا کہنیاں کھول کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ خواہ قمیص ہی نیم آستین ہو یا آستین چڑھائی گئی ہو بہر حال نماز مکروہ ہے۔ اسی طرح ایسے لباس میں بھی نماز مکروہ ہے۔ جس کو پہن کر آدمی اپنے دوستوں اور عوام کے سامنے جانا قابل شرم و عار سمجھے' جیسے صرف بنیان بغیر کرتے کے' اگرچہ پوری آستین بھی ہو۔ یا سر پر بجائے ٹوپی کے کوئی کپڑا یا چھوٹا دستی رومال باندھ لینا کہ کوئی سمجھ دار آدمی اپنے دوستوں یا مردوں کے سامنے اس ہیئت

میں جانا پسند نہیں کرتا۔ تو اللہ رب العالمین کے دربار میں جانا کیسے پسندیدہ ہو سکتا ہے۔ سر' مونڈھے' کہنیاں کھول کر نماز کا مکروہ ہونا آیت قرآنی کے لفظ زینت سے بھی مستفاد ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات سے بھی نماز میں ترجمہ قرآن پڑھنا باجماع امت ناجائز ہے۔

مسئلہ : اسی وجہ سے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز میں فرض تلاوت کی جگہ قرآن کے الفاظ کا ترجمہ کسی زبان فارسی۔ اردو۔ انگریزی میں پڑھ لینا بدون اضطرار کے کافی نہیں۔ بعض ائمہ سے جو اس میں توسع کا قول منقول ہے۔ ان سے بھی اپنے اس قول سے رجوع ثابت ہے۔

قرآن کے اردو، ترجمہ کو اردو قرآن کہنا جائز نہیں

مسئلہ : اسی طرح قرآن کا صرف ترجمہ کسی زبان میں بغیر عربی متن کے لکھا جائے تو اس زبان کا قرآن کہنا جائز نہیں۔ جیسے آج کل بہت سے لوگ صرف اردو ترجمہ قرآن کو اردو کا قرآن کہہ دیتے ہیں یہ ناجائز اور بے ادبی ہے۔ قرآن کو بغیر متن عربی کے کسی دوسری زبان میں بنام قرآن شائع کرنا اور اس کی خرید و فروخت کرنا سب ناجائز ہے

معارف القرآن حصہ ششم ص ۵۵۳

مسئلہ : جس طرح نشہ کی حالت میں نماز حرام ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب نیند کا غلبہ ایسا ہو کہ آدمی اپنی زبان پر قابو نہ رکھے تو اس حالت میں بھی نماز پڑھنا درست نہیں جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد ہے۔

اذا نعس احدکم فی الصلوٰۃ فلیرقد حتّٰی یذھب عنہ النوم فانہ لا یدری لعلہ یستغفر فیسب نفسہ (قرطبی)

اگر تم میں سے کسی کو نماز میں اونگھ آنے لگے تو اسے کچھ دیر کے لیے سو جانا چاہئے تاکہ نیند کا اثر چلا جائے ورنہ نیند کی حالت میں وہ سمجھ نہیں سکے گا۔ اور بجائے دعا و استغفار کے اپنے آپ کو گالی دینے لگ جائے گا۔ (سورہ نساء آیت ۴۳)

(معارف القرآن حصہ دوم ص ۴۲۳)

سجدۂ تلاوت کے بعض مسائل

رکوع سے سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے

مسئلہ : اگر نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت کی گئی ہے۔ تو رکوع میں سجدہ کی نیت کر لینے سے سجدہ ادا ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ یہاں باری تعالیٰ نے سجدہ کے لیے رکوع کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ رکوع بھی سجدہ کے قائم مقام ہو سکتا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں چند ضروری مسائل یاد رکھنے چاہئیں۔

مسئلہ : نماز کے فرض رکوع کے ذریعہ سجدہ صرف اس صورت میں ادا ہو سکتا ہے جب کہ سجدے کی آیت نماز میں پڑھی گئی ہو۔ نماز سے باہر تلاوت کرنے میں رکوع سے سجدہ ادا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ رکوع صرف نماز میں عبادت ہے نماز سے باہر مشروع نہیں۔ (بدائع)

مسئلہ : رکوع میں سجدہ صرف اس وقت ادا ہو گا جب کہ آیت سجدہ تلاوت کرنے کے فوراً بعد یا زیادہ سے زیادہ دو تین آیتیں مزید تلاوت کر کے رکوع کر لیا ہو' اور اگر آیت سجدہ کے بعد کھڑے کھڑے طویل قرأت کی ہو۔ تو سجدہ رکوع میں ادا نہ ہو گا۔

مسئلہ : اگر سجدۂ تلاوت رکوع میں ادا کرنے کا خیال ہو تو رکوع میں جاتے وقت سجدۂ تلاوت کی نیت کر لینی چاہیے ورنہ اس رکوع سے سجدہ ادا نہیں ہو گا۔ ہاں جب سجدہ میں جانے لگا تو بلا نیت بھی سجدہ ادا ہو جائے گا۔

مسئلہ : افضل بہرحال یہی ہے کہ سجدۂ تلاوت کی نماز کے فرض رکوع میں ادا کرنے کے بجائے مستقل سجدہ کیا جائے۔ اور سجدہ سے اٹھ کر ایک دو آیتیں تلاوت کر کے پھر رکوع میں جائیں (بدائع)(سورۃ ص آیت ۲۵) معارف القرآن حصہ ص ۵۰۶

○☆○

سفر اور قصر کے احکام

مسئلہ : جو سفر تین منزل* سے کم ہو اس سفر میں نماز پوری پڑھی جاتی ہے۔

مسئلہ : اور جب سفر ختم کر کے منزل پر جا پہنچے تو اگر وہاں پندرہ روز سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہو تب تو وہ حکم سفر میں ہے' فرض نماز چارگانہ آدھی پڑھی جاتی ہے۔ اور اس کو قصر کہتے ہیں۔ اور اگر پندرہ روز یا زیادہ کا رہنے کا ایک ہی بستی میں ارادہ ہو تو وہ وطن اقامت ہو جائے گا۔ وہاں بھی وطن اصلی کی طرح قصر نہیں ہو گا۔ بلکہ نماز پوری پڑھی جائے گی۔

مسئلہ : قصر صرف تین وقت کے فرائض میں ہے اور مغرب اور فجر میں اور سنن و وتر میں نہیں ہے۔

مسئلہ : سفر میں خوف نہ ہو تو بھی قصر نماز پڑھی جائے گی۔

مسئلہ : بعض لوگوں کو پوری نماز کی جگہ قصر پڑھنے میں دل میں گناہ کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ قصر بھی شریعت کا حکم ہے۔ جس کی تعمیل پر گناہ نہیں ہوتا بلکہ ثواب ملتا ہے۔

مسئلہ : اس آیت میں ہے کہ "(جب آپ ان میں تشریف رکھتے ہوں)" اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اب صلوٰۃ خوف کا حکم باقی نہیں رہا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اب ہم میں موجود نہیں۔ اس لیے کہ یہ شرط اس وقت کے اعتبار سے بیان کی گئی ہے کیونکہ نبی کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا آدمی بلا عذر کے امام نہیں بن سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب جو امام ہو وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام ہے۔ اور وہی صلوٰۃ خوف پڑھائے گا۔ تمام ائمہ کے نزدیک صلوٰۃ خوف کا حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی جاری ہے۔ منسوخ نہیں ہوا۔

---

* تین منزل کی مقدار موجودہ پیمانوں کے حساب سے۔ اڑتالیس میل بنتی ہے

مسئلہ : جیسے آدمی سے خوف کے وقت صلوٰۃ خوف پڑھنا جائز ہے۔ ایسے ہی اگر کسی شیر یا اژدھا وغیرہ کا خوف ہو اور نماز کا وقت تنگ ہو اس وقت بھی جائز ہے۔

مسئلہ : دونوں گروہ کے ایک ایک رکعت پڑھنے کا تو ذکر آیت میں فرمایا دوسری رکعت کا طریقہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو دونوں گروہ نے اپنی ایک ایک رکعت بطور خود پڑھ لی۔

مزید تفصیل احادیث میں ہے۔ (سورہ نساء آیت ۱۰۱ تا ۱۰۴) معارف القرآن حصہ دوم ص ۵۳۲ تا ۵۳۳

مسافر کے متعلق مزید احکام

مسئلہ : کوئی شخص پندرہ دن کے قیام کی نیت ایک جگہ نہیں بلکہ متفرق مقامات شہروں اور بستیوں میں کرے تو وہ بدستور مسافر کے حکم میں رہ کر رخصتِ سفر کا مستحق رہے گا۔

مسئلہ : مسافر اسی وقت تک رخصت سفر کا مستحق ہے جب تک اس کے سفر کا سلسلہ جاری رہے اور یہ ظاہر ہے کہ آرام کرنے یا کچھ دیر کام کرنے کے لیے کسی جگہ ٹھہرنا مطلقاً اس کے سفر کو ختم نہیں کر دیتا۔ جب تک معتدبہ مقدار قیام نہ ہو اور ایسی معتدبہ قیام کی مدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے ثابت ہوئی کہ پندرہ دن ہیں جو شخص کسی ایک مقام پر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے تو وہ عَلٰی سَفَرٍ نہیں کہلاتا۔ اس لیے وہ رخصت سفر کا بھی مستحق نہیں۔

مسئلہ : عَلٰی سَفَرٍ سے مراد وہ سفر پر سوار ہو۔ جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ گھر سے دس پانچ میل چلا جانا مراد نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور صحابہؓ کے تعامل سے 'امام اعظم ابو حنیفہؒ' اور بہت سے فقہاء نے اس کی مقدار تین منزل یعنی وہ مسافت جس کو پیادہ سفر کرنے والا باآسانی تین روز میں طے کر سکے قرار دی ہے۔ اور بعد کے فقہاء نے میلوں سے اڑتالیس میل لکھے ہیں۔ (البقرۃ آیت ۱۸۴) معارف القرآن ص ۴۴۳ ج ۱

خطبہ کے آداب

مسئلہ : خطبہ کے آداب میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور انبیاء علیہم السلام پر درود و سلام سے شروع ہونا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے تمام خطبات میں یہی معمول رہا ہے۔ بلکہ ہر اہم کام کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام مسنون و مستحب ہے۔

(کذا فی الروح) (سورۃ النمل آیت ۵۹) معارف القرآن حصہ ششم ص ۵۵۳

اذان جمعہ کے بعد جمعہ کی تیاری کے علاوہ سب کام ممنوع ہیں

اذان جمعہ کے بعد سارے ہی مشاغل کا منع کرنا مقصود تھا۔ جن میں زراعت، تجارت، مزدوری سبھی داخل ہیں۔ مگر قرآن کریم نے صرف بیع کا ذکر فرمایا اس سے اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ جمعہ کی نماز کے مخاطب شہروں اور قصبوں والے ہیں، چھوٹے دیہات اور جنگلوں میں جمعہ نہیں ہو گا۔ اس لیے شہروں اور قصبوں میں جو مشاغل عام لوگوں کو پیش آتے ہیں ان کی ممانعت فرمائی گئی وہ بیع و شراء کے ہوتے ہیں بخلاف گاؤں والوں کے کہ ان کے مشاغل کاشت اور زمین سے متعلق ہوتے ہیں۔

اور باتفاق امت یہاں بیع سے مراد فروخت کرنا نہیں بلکہ ہر وہ کام جو جمعہ کی طرف جانے کے اہتمام میں مخل ہو وہ سب بیع کے مفہوم میں داخل ہے اس لیے اذان جمعہ کے بعد کھانا، پینا، سونا کسی سے بات کرنا، یہاں تک کہ کتاب کا مطالعہ کرنا وغیرہ سب ممنوع ہے۔ صرف جمعہ کی تیاری کے متعلق جو کام ہوں وہ کئے جا سکتے ہیں پہلی اذان جمعہ کے بعد بیع و شراء تمام اشغال حرام ہیں۔ (ص ۴۳۱ ج ۸)

ایک عبادت کے وقت دوسری عبادت میں مشغول ہونا غلطی ہے

مسئلہ : ایک عبادت کے وقت کو کسی دوسری عبادت میں بھی صرف نہ کرنا چاہیے ظاہر ہے کہ جہاد کے گھوڑوں کا معائنہ ایک عظیم عبادت تھی۔ لیکن چونکہ وہ وقت اس عبادت کے بجائے نماز کا تھا۔ اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو بھی غلطی میں شمار کرکے اس کا تدارک فرمایا۔ اس لیے ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ جمعہ کی اذان کے بعد جس طرح خرید و فروخت میں مشغولیت جائز نہیں اسی طرح نماز جمعہ کی تیاری کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول ہونا بھی درست نہیں۔ خواہ تلاوت قرآن و نفل پڑھنے کی عبادت ہی کیوں نہ ہو۔

(معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۵۱۵)

جمعہ کی نماز بغیر جماعت کے ادا نہیں ہو سکتی

جمعہ عورتوں، مریضوں اور مسافروں پر فرض نہیں وہ جمعہ کی جگہ نماز ظہر پڑھیں اور یہی حکم بستی کے لوگوں کا ہے (سورۃ جمعہ آیت ۹ تا ۱۱) معارف القرآن ص ۴۴۳ ج ۸

مقام ادب میں جوتے اتار دینا ادب کا مقتضا ہے

جوتے اگر پاک ہوں تو ان میں نماز درست ہو جانے پر سب فقہاء کا اتفاق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے پاک جوتے پہن کر نماز پڑھنا صحیح روایات سے ثابت بھی ہے۔ مگر عام عادت و سنت یہی معلوم ہوتی ہے کہ جوتے اتار کر نماز پڑھی جاتی تھی کہ وہ اقرب الی التواضع ہے۔

(سورۃ طٰہٰ آیت ۱۱) معارف القرآن حصہ ششم ص ۷۰

نماز تہجد نفل ہے یا سنت مؤکدہ

مسئلہ : سنت مؤکدہ کے لیے جو عام ضابطہ فقہاء کا ہے کہ جس کام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً مداومت فرمائی ہو اور بلا مجبوری کے نہ چھوڑا ہو وہ سنت مؤکدہ ہے۔ بجز اس کے کہ کسی دلیل شرعی سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص تھا عام امت کے لیے نہیں تھا اس ضابطہ کا تقاضا بظاہر یہی ہے کہ نماز تہجد بھی سب کے لیے سنت مؤکدہ قرار پائے نہ کہ صرف نفل کیونکہ اس نماز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مداومت سنت متواترہ سے ثابت ہے۔ اور خصوصیت کی کوئی دلیل نہیں اس لیے عام امت کے لیے بھی سنت مؤکدہ ہونا چاہیے تفسیر مظہری میں اس کو مختار اور راجح قرار دیا ہے اور اس کے مؤکد ہونے پر حضرت ابن مسعودؓ کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں جو پہلے تہجد پڑھتا تھا پھر چھوڑ دیا یہ ارشاد فرمایا کہ "اس کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا ہے" اس کی وعید اور تنبیہ صرف نفل میں نہیں ہو سکتی اس سے معلوم ہوا کہ یہ سنت مؤکدہ ہے۔

اور جن حضرات نے تہجد کو صرف نفل قرار دیا ہے۔ وہ اس مواظبت اور مداومت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت قرار دیتے ہیں اور تہجد پڑھنے والے کے ترک تہجد پر جو زجر کے الفاظ ارشاد فرمائے وہ دراصل مطلقاً ترک پر نہیں بلکہ اول عادت ڈالنے کے بعد ترک کرنے پر ہیں کیونکہ آدمی جس نفل کی عادت ڈال لے باتفاق امت اس کو چاہیے کہ اس پر مداومت کرے اگر عادت ڈالنے کے بعد چھوڑے گا۔ تو قابل ملامت ہو گا۔ کیونکہ عادت کے بعد بلا عذر ترک ایک قسم کے اعراض کی علامت ہے۔ اور جو شروع سے عادی نہ ہو تو اس پر کوئی ملامت نہیں۔ واللہ اعلم

(سورہ بنی اسرائیل آیت ۷۹) معارف القرآن ج پنجم ص ۵۰۵ تا ۵۰۶

نماز تہجد کے احکام و مسائل

لفظ تہجد ہجود سے مشتق ہے۔ اس کے معنے سونے کے بھی آتے ہیں اور جاگنے بیدار ہونے کے بھی۔ اصطلاح شرع میں نماز تہجد اس نماز کو کہا جاتا ہے جو کچھ دیر سو کر اٹھنے کے بعد پڑھی جائے۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ لفظ تہجد جس طرح کچھ دیر سونے کے بعد جاگ کر پھر نماز پڑھنے پر صادق آتا ہے۔ اسی طرح سے شروع میں نیند کو مؤخر کر کے نماز پڑھنے پر بھی صادق آتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا "تہجد ہر اس نماز پر صادق ہے جو عشاء کے بعد پڑھی جائے' البتہ تعامل کی وجہ سے اس کو کچھ نیند کے بعد محمول کیا جائے گا۔

عموماً تعامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہی رہا کہ یہ نماز آخر رات میں بیدار ہو کر پڑھتے تھے۔ اس کی افضل صورت یہی ہوگی۔

نماز تہجد نفل ہے یا سنت مؤکدہ۔ اس نماز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مداومت سنت متواترہ سے ثابت ہے اس لیے عام امت کے لیے بھی سنت مؤکدہ ہونا چاہیے۔ تفسیر مظہری میں اسی کو مختار اور راجح قرار دیا ہے۔

اور جن حضرات نے تہجد کو صرف نفل قرار دیا ہے وہ اس مواظبت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت قرار دیتے ہیں۔

بہر حال باتفاق امت آدمی جس نفل کی عادت ڈال لے اس پر مداومت کرے اگر عادت ڈالنے کے بعد چھوڑے گا تو قابل ملامت ہوگی کیونکہ بلا عذر ترک ایک قسم کے اعتراض کی علامت ہے۔ (سورہ بنی اسرائیل آیت ٧٩)

مزید تفصیل کے لیے تفسیر معارف القرآن جلد پنجم ص ٥٠٣ تا ٥٠٥ ملاحظہ فرمائیے۔

آلۂ مکبر الصوت پر نماز پڑھانے کا جواز

اہل فن لاؤڈ سپیکر کی آواز کو عین آواز امام کہتے ہیں ان کی تحقیق پر کوئی اشکال جواز صلوٰۃ میں نہیں ہے اس مسئلہ کی تحقیق پر احقر کا ایک مستقل رسالہ بھی شائع شدہ

ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔ (سورہ بقرہ آیت ١٤٣)

مزید تفصیل معارف القرآن ج ٢ ص ٣٧٧ تا ٣٧٩ میں ملاحظہ فرمائیے۔

دعا کے متعلق چند مسائل

مسئلہ : کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا مانگنا حرام ہے وہ کام اللہ کے نزدیک قبول بھی نہیں ہوتی (کمافی الحدیث عن ابی سعید الخدریؓ)

قبولیت دعا کی شرائط

مسئلہ : آیات مذکورہ میں تو بظاہر کوئی شرط نہیں یہاں تک کہ مسلمان ہونا بھی قبولیت دعا کی شرط نہیں ہے' کافر کی دعا بھی اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے یہاں تک کہ ابلیس کی دعا تاقیامت زندہ رہنے کی قبول ہو گئی۔ نہ دعا کے لیے کوئی وقت شرط نہ طہارت اور نہ باوضو ہونا شرط ہے۔ مگر احادیث معتبرہ میں بعض چیزوں کو موانع قبولیت فرمایا ہے۔ ان چیزوں سے اجتناب لازم ہے جیسا کہ حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض آدمی بہت سفر کرتے اور آسمان کی طرف دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور یا رب یا رب کہہ کر اپنی حاجت مانگتے ہیں۔ مگر ان کا کھانا حرام' پینا حرام' لباس حرام' ان کی حرام ہی سے غذا دی گئی تو ان کی دعا کہاں قبول ہو گی۔ (رواہ مسلم)

اسی طرح غفلت و بے پروائی کے ساتھ بغیر دھیان دیئے دعاء کے کلمات پڑھیں تو حدیث میں اس کے متعلق بھی آیا ہے۔ کہ ایسی دعاء بھی قبول نہیں ہوتی۔ (ترمذی عن ابی ہریرۃؓ) (سورہ مومن آیت ٦٠)
معارف القرآن حصہ ہفتم ص ١١٢ تا ١١٣

مسئلہ : دعا آہستہ اور خفیہ کرنا چاہیے دعا میں آواز بلند کرنا پسند نہیں (البقرہ آیت ١٨٦)

(معارف القرآن ج ١ ص ٤٥٠)

علماء نے فرمایا ہے کہ دعا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اپنی حاجت مندی کا ذکر کرے۔ (سورہ مریم آیت) (معارف القرآن ج ۶ ص ۱۷)

مسئلہ : دعا کرنے والا پہلے یہ معلوم کرلے کہ جس کام کی دعا کر رہا ہے وہ جائز و حلال ہے یا نہیں مشتبہ حالات میں دعا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

(سورہ ھود آیت ۴۵) (معارف القرآن ج ۴ ص ۶۳۱)

دعا کے مزید دو آداب باطنی

جن کا تعلق انسان کے دل سے ہے وہ یہ کہ دعا کرنے والے کے دل میں اس کا خطرہ بھی ہونا چاہئے کہ شاید میری دعا قبول نہ ہو۔ اور امید بھی ہونی چاہئے کہ میری دعا قبول ہو سکتی ہے کیونکہ اپنی خطاؤں اور گناہوں سے بے فکر ہو جانا بھی ایمان کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت واسطہ سے مایوس ہو جانا بھی کفر ہے قبولیت دعا کی جب ہی توقع کی جاسکتی ہے جب کہ ان دونوں حالتوں کے درمیان رہے۔

(سورہ اعراف آیت ۵۵) (معارف القرآن ص ۵۸۳ ج ۳)

نفل نماز کے سجدہ میں دعا کرنا جائز ہے

مسئلہ : نفل نمازوں کے سجدہ میں دعا کرنا ثابت ہے بعض روایات حدیث میں اس دعا کے خاص الفاظ بھی آئے ہیں وہ الفاظ ماثورہ پڑھے جائیں تو بہتر ہے فرائض میں اس طرح کی دعائیں ثابت نہیں کیونکہ فرائض میں اختصار مطلوب ہے۔

مسئلہ : اس آیت (سورۃ العلق آیت ۱۰) کو پڑھنے اور سننے والے پر سجدۂ تلاوت واجب ہے صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت پر سجدۂ تلاوت کرنا ثابت ہے۔

(سورۃ الصلوٰۃ آیت ۱۹) (معارف القرآن ۷۸۹ ص ج ۸)

○☆○

اپنے اعمال نماز۔ روزہ کو فاسد کرنے کی ممانعت

مسئلہ : ابطال عمل کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کوئی نیک عمل کرکے اس کو قصداً فاسد کردے۔ مثلاً نفل نماز یا روزہ شروع کرکے پھر بغیر کسی عذر کے اس کو قصداً فاسد کرے یہ بھی اس آیت (یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ) کے ذریعہ ناجائز قرار پایا۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے کہ جو اعمال صالحہ ابتداء فرض یا واجب نہیں تھے۔ مگر کسی نے ان کو شروع کردیا تو اب ان کی تکمیل اس آیت کی رو سے واجب ہوگئی تاکہ ابطال عمل کا مرتکب نہ ہو۔ اگر کسی نے ایسا عمل شروع کرکے بلاعذر کے چھوڑ دیا یا قصداً فاسد کردیا تو وہ گنہگار بھی ہوا اور اس کے ذمہ قضا بھی لازم ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک نہ تو قضا لازم ہے اور نہ اس کے فاسد کرنے کا گنہگار ہوگا کیونکہ جب ابتداءً یہ عمل فرض یا واجب نہیں تھا تو بعد میں بھی فرض یا واجب نہیں جس کے ترک یا فساد سے گناہ لازم آئے۔

مگر حنفیہ کے نزدیک آیت مذکورہ کے الفاظ عام ہیں ہر عمل صالح کو شامل ہیں خواہ پہلے فرض و واجب ہو یا نفلی طور پر کرنا شروع کردیا ہو تو شروع کرنے سے وہ نفل عمل بھی واجب ہوگیا۔ تفسیر مظہری میں اس جگہ احادیث کثیرہ سے اس بحث کو مفصل لکھا ہے۔

(سورہ محمد آیت ۳۳) (معارف القرآن ص ۴۸ ج ۸)

کسل کے بارے میں ایک وضاحت

مسئلہ : جس[1] کسل کی یہاں (قاموا کسالیٰ میں) مذمت ہے وہ اعتقادی کسل ہے۔ اور جو باوجود اعتقاد صحیح کے کسل ہو وہ اس سے خارج ہے پھر اگر کسی عذر سے ہو جیسے مرض و تعب و غلبہ نوم تو قابل ملامت بھی نہیں، اور اگر بلاعذر ہو تو قابل ملامت ہے۔ (بیان القرآن) معارف القرآن حصہ دوم ص ۵۸۷

[1] النساء آیت ۱۴۲۔

باب

احکام المیت

مردہ انسان کو دفن کرنا واجب ہے

مسئلہ : اس آیتؔ سے معلوم ہوا کہ مردہ انسان کو دفن واجب ہے۔

(معارف القرآن ص۶۷۶ ج۸)

کافر کو مسلمان کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں

مسئلہ : چنانچہ اگر کوئی مردہ اس قسم کا پایا جائے کہ اس پر زنار ہے۔ اور اس کا ختنہ بھی نہیں کیا ہوا ہو تو اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا۔ (قرطبی)

(سورہ البقرہ آیت ۲۷۳) (معارف القرآن ج ا ص ۶۴۳)

مسئلہ : کسی کافر کے جنازہ کی نماز اور اس کے لیے دعائے مغفرت جائز نہیں۔

○☆○

؎ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ

مسئلہ کافر کی قبر پر کھڑا ہونا

کسی کافر کے اعزاز و اکرام کے لیے اس کی قبر پر کھڑا ہونا یا اس کی زیارت کے لیے جانا حرام ہے۔ عبرت حاصل کرنے کے لیے ہو یا کسی مجبوری کے لیے تو وہ کسی منافی نہیں جیسا کہ ہدایہ میں ہے کہ اگر کسی مسلمان کا کافر رشتہ دار مرجائے اور اس کا کوئی والی وارث نہیں۔ تو مسلمان رشتہ دار اس کو اسی طرح بغیر رعایت طریق مسنون کے گڑھے میں دبا سکتا ہے (سورہ توبہ آیت ۸۴) (معارف القرآن ص ۴۳۷ ج ۴)

باب

الزکوٰۃ

مقادیر زکوٰۃ میں کمی بیشی کا کسی کو اختیار نہیں

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مقادیر زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین اور معلوم ہیں جن کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث صحیحہ میں منقول ہے اس لئے مقادیر پر زکوٰۃ خواہ نصاب زکوٰۃ سے متعلق ہوں یا مقدار واجب سے دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ طے شدہ ہیں یہ زمانے اور حالات کے بدلنے سے نہیں بدل سکتیں۔ (سورۃ المعارج آیت ۲۴) (معارف القرآن ج ۸ ص ۵۵۷)

ادائے زکوٰۃ کے متعلق بعض اہم مسائل

مسئلہ : صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو صدقات وصول کرنے کے بارے میں یہ ہدایت دی تھی کہ

خُذْهَا مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ وَرُدَّهَا فِيْ فُقَرَائِهِمْ

یعنی صدقات مسلمانوں کے اغنیاء سے لے کر انہی کے فقرا میں صرف کردو۔ اس کی بناء پر فقہاء رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ بلا ضرورت ایک شہر یا بستی کی زکوٰۃ دوسرے شہر یا بستی

میں نہ بھیجی جائے بلکہ اسی شہر اور بستی کے فقراء اس کے زیادہ حق دار ہیں۔ البتہ اگر کسی شخص کے عزیز قریب غریب ہیں اور وہ کسی دوسرے شہر میں ہیں تو اپنی زکوٰۃ ان کو بھیج سکتا ہے۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں دوہرے اجر و ثواب کی بشارت دی ہے۔

اسی طرح اگر کسی دوسری بستی کے لوگوں کا فقر و فاقہ اپنے شہر سے زیادہ ضرورت معلوم ہو تو بھی وہاں بھیجا جا سکتا ہے کیونکہ مقصد صدقات دینے کا فقراء کی حاجت کو رفع کرنا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن کے صدقات اکثر کپڑے لیا کرتے تھے تاکہ فقراء مہاجرین کے لئے مدینہ طیبہ بھیج دیں۔

(قرطبی بحوالہ دار قطنی)

اگر ایک شخص خود کسی شہر میں رہتا ہے۔ مگر اس کا مال دوسرے شہر میں ہے تو جس شہر میں خود رہتا ہے۔ اس کا اعتبار ہوگا کیونکہ اداء زکوٰۃ کا مخاطب یہی شخص ہے۔

(قرطبی)

مسئلہ : جس مال کی زکوٰۃ واجب ہے اس کی ادائیگی کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اسی مال کا چالیسواں حصہ نکال کر مستحقین کو دیدے جیسے تجارتی کپڑا' برتن' فرنیچر وغیرہ اور یہ بھی ہے کہ مقدار زکوٰۃ مال کی قیمت نکال کر وہ مستحقین میں تقسیم کرے۔ احادیث صحیحہ سے ایسا کرنا ثابت ہے۔ (قرطبی)۔

اور بعض ائمہ فقہاء نے فرمایا کہ اس زمانہ میں نقد قیمت سے دینا زیادہ بہتر ہے کیونکہ فقراء کی ضرورتیں مختلف اور کثیر ہیں۔ نقد پیسوں کو کسی بھی ضرورت کے کام میں لایا جا سکتا ہے۔

مسئلہ : اگر اپنے عزیز غریب لوگ مستحق زکوٰۃ ہوں تو ان کو زکوٰۃ و صدقات دینا زیادہ بہتر اور دوہرا ثواب ہے۔ ایک ثواب صدقات کا دوسرا صلہ رحمی کا' اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ ان کو یہ جتلا کردے کہ صدقہ یا زکوٰۃ دے رہا ہوں کسی تحفہ یا ہدیہ کے عنوان سے بھی دیا جا سکتا ہے تاکہ لینے والے شریف آدمی کو اپنی خفت محسوس نہ ہو۔

مسئلہ : جو شخص اپنے آپ کو اپنے قول یا عمل سے مستحق زکوٰۃ حاجت مند ظاہر

کرے اور صدقات وغیرہ کا سوال کرے، کیا دینے والوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے حقیقی حالات کی تحقیق کریں اور بغیر اس کے صدقہ نہ دیں۔ اس کے متعلق روایات حدیث اور اقوال فقہاء یہ ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں، بلکہ اس کے ظاہری حال سے اگر یہ گمان غالب ہو کہ یہ شخص حقیقت میں فقیر، حاجت مند ہے تو اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ نہایت شکستہ حال آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے لوگوں سے صدقات جمع کرنے کے لئے فرمایا۔ کافی مقدار میں جمع ہو گئی۔ تو وہ ان کو دیدی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ ان لوگوں کے اندرونی حالات کی تحقیق فرماتے (قرطبی)

البتہ قرطبی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ مصارف صدقات میں سے ایک مدیون بھی ہے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرے ذمہ اتنا قرض ہے اس کی ادائیگی کے لئے مجھے زکوٰۃ کی رقم دیدی جائے تو اس قرض کا ثبوت اس سے طلب کرنا چاہئے (قرطبی)
اور ظاہر یہ ہے کہ غارم فی سبیل اللہ، ابن السبیل وغیرہ میں بھی ایسی تحقیق کرلینا دشوار نہیں، ان صدقات میں حسب موقع تحقیق کرلینا چاہئے۔

مسئلہ : مال زکوٰۃ اپنے عزیز رشتہ داروں کو دینا زیادہ باعث ثواب ہے۔ مگر میاں، بی بی اور والدین و اولاد آپس میں ایک دوسرے کو نہیں دے سکتے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کو دینا ایک حیثیت سے اپنے ہی پاس رکھنا ہے۔

کیونکہ ان لوگوں کے مصارف عموماً مشترک ہوتے ہیں۔ شوہر نے اگر بیوی کو یا بیوی نے اگر شوہر کو اپنی زکوٰۃ دیدی، تو درحقیقت وہ اپنے ہی استعمال میں رہی، اسی طرح والدین اور اولاد کا معاملہ ہے اولاد کی اولاد اور دادا پر دادا کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

مسئلہ : اگر کسی شخص نے کسی شخص کو اپنے گمان کے مطابق مستحق اور مصرف زکوٰۃ سمجھ کر زکوٰۃ دے دی، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اسی کا غلام اور کافر تھا۔ تو زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی، دوبارہ دینی چاہئے کیونکہ غلام کی ملکیت تو آقا ہی کی ملکیت ہوتی ہے۔ وہ اس کی ملک سے نکلا ہی نہیں۔ اس لئے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ اور کافر زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے۔ اس

کے علاوہ اگر بعد میں یہ ثابت ہو کہ جس کو زکوٰۃ دی گئی ہے وہ مالدار یا سید ہاشمی یا اپنا باپ یا بیٹا یا بیوی یا شوہر ہے تو زکوٰۃ کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ رقم زکوٰۃ اس کی ملک سے نکل کر محل ثواب میں پہنچ چکی ہے اور تعین مصرف میں جو غلطی کسی اندھیرے یا مغالطہ کی وجہ سے ہو گئی وہ معاف ہے۔ (درمختار) (سورہ توبہ آیت ۶۰) (معارف القرآن ج ۴ ص ۴۰۹ تا ۴۱۳)

کیا صدقات کا مال کافر کو دیا جا سکتا ہے؟

اموال صدقات میں سے منافقین کو بھی حصہ ملا کرتا تھا۔ مگر وہ خواہش کے مطابق نہ ملنے پر ناراض ہو جاتے اور طعن و تشنیع کرنے لگتے تھے یہاں اگر صدقات سے مراد عام معنی لئے جائیں جس میں صدقات واجبہ اور نافلہ سب شامل ہیں، تو کوئی اشکال ہی نہیں۔ کیونکہ نفلی صدقات میں سے غیر مسلموں کو دینا باتفاق امت جائز اور سنت سے ثابت ہے اور اگر صدقات سے مراد اس جگہ صدقات فرض زکوٰۃ، عشر وغیرہ ہی ہوں، تو منافقین کو اس میں سے حصہ دینا اس بناء پر تھا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔

اور ظاہری کوئی حجت ان کے کفر پر قائم نہ ہوئی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے مصلحت حکم یہی دے رکھا تھا کہ منافقین کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو مسلمانوں کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ (بیان القرآن ملخصاً) (سورہ توبہ آیت ۵۹) معارف القرآن حصہ چہارم ص ۳۹۴۔

مسئلہ : نفلی صدقات ذمی اور مصالح کافر کو بھی دیئے جا سکتے ہیں صرف کافر حربی کو دینا ممنوع ہے۔ (سورہ ممتحنہ آیت ۸) (معارف القرآن ج ۸ ص ۴۰۶)

مسئلہ : حربی کافر کو کسی قسم کا صدقہ وغیرہ دینا جائز نہیں۔

مسئلہ : کافر ذمی یعنی غیر حربی کو صرف زکوٰۃ و عشر دینا جائز نہیں اور دوسرے صدقات واجبہ و نفل سب جائز ہیں۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۷۲) (معارف القرآن حصہ اول ۶۴۲)

مسئلہ : اگر کوئی فقیر قیمتی کپڑے پہنے ہوئے ہو تو اس کی وجہ سے اس کو غنی نہیں کہا

جائے گا بلکہ اس کو فقیر ہی کہا جائے گا۔ اور ایسے آدمی کو زکوٰۃ دینا بھی صحیح ہوگا۔ (قرطبی)

(البقرۃ آیت ۲۷۳) (معارف القرآن ص ۶۴۳ ج ۱)

عشر اراضی کے احکام

مسئلہ : عشری زمین میں عشر واجب ہے۔ عشری زمین کی ہر قلیل و کثیر پیداوار پر عشر واجب ہے۔ عشر و خراج شریعت اسلامی کے دو اصلاحی لفظ ہیں۔ ان دونوں میں ایک بات مشترک ہے کہ اسلامی حکومت کی طرف سے زمینوں پر عائد کردہ ٹیکس کی ایک حیثیت ان دونوں میں ہے۔ فرق یہ ہے کہ عشر فقط ٹیکس نہیں بلکہ اس میں ٹیکس سے زیادہ اصلی حیثیت عبادت مالی کی ہے مثل زکوٰۃ کے۔ اسی لئے اس کو زکوٰۃ الارض بھی کہا جاتا ہے اور خراج خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت کی کوئی حیثیت نہیں۔ مسلمان چونکہ عبادت کے اہل اور پابند ہیں ان سے جو زمین کی پیداوار کا حصہ لیا جاتا ہے اس کو عشر کہتے ہیں۔ اور غیر مسلم چونکہ عبادت کے اہل نہیں ان کی زمینوں پر جو کچھ عائد کیا جاتا ہے اس کا نام خراج ہے۔ عملی طور پر زکوٰۃ اور عشر میں یہ بھی فرق ہے کہ سونا چاندی اور تجارت کے مال پر زکوٰۃ سال بھر گزرنے کے بعد عائد ہوتی ہے۔ اور عشر زمین سے پیداوار حاصل ہوتے ہی واجب ہو جاتا ہے۔

مسئلہ : اگر زمین سے کوئی پیداوار نہ ہو تو عشر ساقط ہو جاتا ہے لیکن اموال تجارت اور سونے چاندی پر اگر کوئی نفع بھی نہ ہو تب بھی سال پورا ہونے پر ان پر زکوٰۃ فرض ہو گی۔ (البقرہ آیت ۲۶۷) معارف القرآن حصہ اول ص ۶۳۹ تا ۶۴۰

مسئلہ تملیک

جمہور فقہاء اس پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کے معینہ آٹھ مصارف میں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے یہ شرط ہے۔ کہ ان مصارف میں سے کسی مستحق کو مال زکوٰۃ پر مالکانہ قبضہ دیدیا جائے، بغیر مالکانہ قبضہ دیئے اگر کوئی مال انہی لوگوں کے فائدے کے لیے خرچ

کردیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اسی وجہ سے ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء امت اس پر متفق ہیں کہ رقم زکوٰۃ کو مساجد یا مدارس یا شفاخانے، یتیم خانے کی تعمیر میں یا ان کی دوسری ضروریات میں صرف کرنا جائز نہیں، اگرچہ ان تمام چیزوں سے فائدہ ان فقراء اور دوسرے حضرات کو پہنچتا ہے۔ جو مصرف زکوٰۃ ہیں۔ مگر ان کا مالکانہ قبضہ ان چیزوں پر نہ ہونے کے سبب زکوٰۃ اس سے ادا نہیں ہوتی۔

البتہ یتیم خانوں میں اگر یتیموں کا کھانا، کپڑا وغیرہ مالکانہ حیثیت سے دیا جاتا ہے تو صرف اس خرچ کی حد تک رقم زکوٰۃ صرف ہو سکتی ہے۔ اسی طرح شفاخانوں میں جو دوا حاجت مند غرباء کو مالکانہ حیثیت سے دیدی جائے۔ اس کی قیمت رقم زکوٰۃ میں محسوب ہو سکتی ہے۔ اسی طرح فقہاء امت کی تصریحات ہیں کہ لاوارث میت کا کفن رقم زکوٰۃ سے نہیں لگایا جاسکتا۔ کیونکہ میت میں مالک ہونے کی صلاحیت نہیں، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ رقم زکوٰۃ کسی غریب مستحق کو دے دی جائے اور وہ اپنی خوشی سے اس رقم کو لاوارث میت کے کفن پر خرچ کر دے۔ اسی طرح اگر اس میت کے ذمہ قرض ہے۔ تو اس قرض کو رقم زکوٰۃ سے براہ راست ادا نہیں کیا جاسکتا، ہاں اس کے وارث غریب مستحق زکوٰۃ ہوں، تو ان کو مالکانہ طور سے دیا جاسکتا ہے وہ اس رقم کے مالک ہو کر اپنی رضامندی کے ساتھ اس رقم سے میت کا قرض ادا کر سکتے ہیں۔ اسی طرح رفاہ عام کے سب کام جیسے کنواں یا پل یا سڑک وغیرہ کی تعمیر، اگرچہ ان کا فائدہ مستحقین زکوٰۃ کو بھی پہنچتا ہے۔ مگر ان کا مالکانہ قبضہ نہ ہونے کے سبب اس زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی ان مسائل میں چاروں ائمہ مجتہدین، ابوحنیفہ شافعی مالک احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور جمہور فقہاء امت متفق ہیں۔

شمس الائمہ سرخسی نے اس مسئلہ کو امام محمد کی کتابوں کی شرح مبسوط اور شرح صغیر میں پوری تحقیق اور تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور فقہاء شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ کی عام کتابوں میں ان کی تصریحات موجود ہیں۔

(سورہ توبہ آیت ۶۰) معارف القرآن ج ۴ ص ۴۰۹، ۴۱۰

مسئلہ : زکوٰۃ نکالنے کے بعد جو مال باقی رہے اس کا جمع رکھنا کوئی گناہ نہیں۔

(سورہ توبہ آیت ۳۵) معارف القرآن ج ۴ ص ۳۶۷

حیلوں کی شرعی حیثیت

مسئلہ : کسی نامناسب یا مکروہ بات سے بچنے کے لیے کوئی شرعی حیلہ اختیار کیا جائے‘ تو وہ جائز ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ میں قسم کا اصلی تقاضا یہ ہے کہ آپ اپنی زوجہ مطہرہ کو پوری سو قمچیاں ماریں۔ لیکن چونکہ ان کی زوجہ مطہرہ بے گناہ تھیں اور انھوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بے مثال خدمت کی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود حضرت ایوب علیہ السلام کو ایک حیلہ کی تلقین فرمائی۔ اور یہ تصریح کردی کہ اس طرح ان کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لیے یہ واقعہ حیلہ کے جواز پر دلالت کرتا ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس قسم کے حیلے اسی وقت جائز ہوتے ہیں۔ جب کہ انہیں شرعی مقاصد کے ابطال کا ذریعہ نہ بنایا جائے اور اگر حیلہ کا مقصد یہ ہو کہ کسی حقدار کا حق باطل کیا جائے یا کسی صریح فعل حرام کو اس کی روح برقرار رکھتے ہوئے اپنے لیے حلال کرلیا جائے۔ تو ایسا حیلہ بالکل ناجائز ہے۔ مثلاً زکوٰۃ سے بچنے کے لیے بعض لوگ یہ حیلہ کرتے ہیں کہ سال کے ختم ہونے سے ذرا پہلے اپنا مال بیوی کی ملکیت میں دے دیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد بیوی نے شوہر کی ملکیت میں دے دیا۔ اور جب اگلا سال ختم ہونے کے قریب ہوا تو پھر شوہر نے بیوی کو ہبہ کردیا۔ اس طرح کسی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ ایسا کرنا چونکہ مقاصد شرعیہ کو باطل کرنے کی ایک کوشش ہے۔ اس لیے حرام ہے اور شاید اس کا وبال ترک زکوٰۃ کے وبال سے زیادہ بڑا ہو۔ (روح المعانی از مبسوط سرخسی)

نامناسب کام پر قسم کھانا

مسئلہ : اگر کوئی شخص کسی نامناسب ‘غلط یا ناجائز فعل پر قسم کھالے تو قسم منعقد ہوجاتی ہے۔ اور اس کے توڑنے پر کفارہ بھی آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اس صورت میں کفارہ نہ آتا تو حضرت ایوب علیہ السلام کو یہ حیلہ تلقین نہ فرمایا جاتا لیکن ساتھ ہی یہ بھی

یاد رکھنا چاہئے کہ کسی نامناسب کام پر قسم کھالی جائے۔ تو شرعی حکم یہ ہے کہ اسے توڑ کر کفارہ ادا کردیا جائے۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص ایک قسم کھالے پھر بعد میں اس کی رائے یہ ہو کہ اس قسم کے خلاف عمل کرنا زیادہ بہتر ہے‘ تو اسے چاہئے کہ وہی کام کرے جو بہتر ہو اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے۔

(سورہ ص آیت ٤٤)(معارف القرآن حصہ ہشتم ص ٥٢٢ تا ٥٢٣)

زکوٰۃ کے علاوہ دیگر مالی فرائض

مسئلہ : مالی فرض صرف زکوٰۃ سے پورا نہیں ہوتا۔ زکوٰۃ کے علاوہ بھی بہت جگہ مال خرچ کرنا فرض و واجب ہوتا ہے (جصاص قرطبی) جیسے رشتہ داروں پر خرچ کرنا کہ جب وہ کمانے سے معذور ہوں تو نفقہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔ کوئی مسکین غریب مر رہا ہے اور آپ اپنی زکوٰۃ ادا کرچکے ہیں۔ مگر اس وقت مال خرچ کرکے اس کی جان بچانا واجب ہے۔ اسی طرح ضرورت کی جگہ مسجد بنانا یا دینی تعلیم کے لیے مدارس و مکاتب بنانا یہ سب فرائض مالی میں داخل ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ زکوٰۃ کا ایک خاص قانون ہے اس کے مطابق ہر حال میں زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے اور یہ دوسرے مصارف ضرورت و حاجت پر موقوف ہیں جہاں جہاں ضرورت ہو خرچ کرنا فرض ہوجائے گا جہاں نہ ہو فرض نہیں ہوگا۔ (سورہ بقرہ آیت ١٧٧) معارف القرآن ج ا ص ٤٣٢)

اکتناز دولت پر اسلامی قوانین کی ضرب کاری

حق تعالیٰ رب العالمین ہے‘ اس کی مخلوق ہونے کی حیثیت سے انسانی ضروریات میں تمام انسانوں کا یکساں حق ہے‘ اس میں مومن و کافر کا بھی فرق نہیں کیا گیا‘ خاندانی اور طبقاتی امیر و غریب کا کیا امتیاز ہوتا‘ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تقسیم دولت کا بہت بڑا حصہ جو انسان کی فطری اور اصلی ضروریات پر مشتمل ہے۔ اس کی تقسیم خود اپنے دست قدرت میں رکھ کر اس طرح فرمائی ہے کہ اس سے ہر طبقہ ہر خطہ ہر کمزور و قوی

یکساں فائدہ اٹھاسکے' ایسی اشیاء کو اللہ جل شانہٗ نے اپنی حکمت بالغہ سے عام انسانی دستبرد اور قبضہ و تسلط سے مافوق بنادیا ہے کہ کسی کی مجال نہیں کہ اس پر ذاتی قبضہ جماسکے' ہوا' فضا' آفتاب' ماہتاب' اور سیاروں کی روشنی' فضاء میں پیدا ہونے والے بادل ان کی بارش یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے بغیر انسان تھوڑی دیر بھی زندہ نہیں رہ سکتا' ان سب کو قدرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے ایسا وقف عام بنادیا کہ کوئی بڑی سے بڑی حکومت و طاقت اس پر قبضہ نہیں جماسکتی یہ چیزیں اللہ کی مخلوق کو ہر جگہ یکساں ملتی ہیں۔

اشیائے ضرورت کی دوسری قسط زمین سے نکلنے والا پانی اور کھانے کی چیزیں ہیں' یہ اگرچہ اتنی عام نہیں۔ مگر اسلامی قانون میں پہاڑوں اور غیر آباد جنگلوں اور قدرتی چشموں کو وقف عام چھوڑ کر ایک خاص قانون کے تحت خاص خاص انسانوں کو زمین کے بعض حصوں پر جائز حق ملکیت بھی دیا جاتا ہے اور ناجائز قبضہ و تسلط جمانے والے بھی زمین پر قبضہ جمالیتے ہیں' لیکن قدرتی طور پر زمین کے فوائد کوئی بڑا سرمایہ دار بھی بغیر غریبوں' کسانوں' مزدوروں کو ساتھ لیے حاصل نہیں کرسکتا' اس لیے ایک گونہ قبضہ کے باوجود وہ اس میں دوسرے کمزور غریبوں کو حصہ دینے پر مجبور ہے۔

تیسری قسط سونا چاندی' روپیہ پیسہ ہے' جو اصلی اور فطری ضروریات میں داخل نہیں' مگر حق تعالیٰ نے اس کو تمام ضروریات کی تحصیل کا ذریعہ بنادیا ہے' اور یہ معاون سے نکلنے کے بعد خاص قانون کے تحت نکالنے والوں کی ملکیت ہوجاتا ہے' اور ان سے ان کی ملکیت مختلف طریقوں پر دوسروں کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے اور اگر اس کی گردش پورے انسانوں میں خاطر خواہ ہوتی رہے تو کوئی انسان بھوکا ننگا نہیں رہ سکتا' مگر ہوتا یہ ہے کہ مال سے صرف خود ہی فائدہ اٹھائے' دوسروں تک اس کا فائدہ نہ پہنچے' اس بخل و حرص نے دنیا میں اکتناز دولت اور سرمایہ پرستی کے پرانے اور نئے بہت سے طریقے ایجاد کرائے' جن کے ذریعہ اس دولت کی گردش صرف سرمایہ داروں اور بڑے لوگوں کے ہاتھوں تک محدود ہو کر رہ گئی' عام غریب مساکین محروم کردیئے گئے' جس کے رد عمل نے دنیا میں کمیونزم اور سوشلزم جیسے نامعقول طریقے ایجاد کئے۔

اسلامی قانون نے ایک طرف تو شخصی ملکیت کا اتنا احترام کیا کہ ایک شخص کے مال کو اس کی جان کی برابر اور جان کو بیت اللہ کی حرمت کے برابر قرار دیا اس پر کسی کے ناجائز

تصرف کو شدت سے روکا' دوسری طرف جو ہاتھ ناجائز طور پر اس طرف بڑھا وہ ہاتھ کاٹ دیا گیا' تیسری طرف ایسے تمام دروازے بند کردیئے کہ قدرت وسائل سے حاصل ہونے والی چیزوں پر کوئی خاص شخص یا جماعت قبضہ کرکے بیٹھ جائے اور عوام کو محروم کردے۔

کسب و اکتساب کے مروجہ طریقوں میں سود' سٹہ' جو ایسی چیزیں ہیں کہ ان کے ذریعہ دولت سمٹ کر چند افراد و اشخاص میں دائر ہو کر رہ جاتی ہے' ان سب کو سخت حرام قرار دے کر تمام معاملات تجارت اور کرایہ داری وغیرہ میں ان کی جڑ کاٹ دی' اور جو دولت کسی شخص کے پاس جائز طریقوں سے جمع ہوئی اس میں بھی غریبوں' فقیروں کے حقوق' زکوٰۃ' عشر' صدقۃ الفطر' کفارات وغیرہ مقررہ فرائض کی صورت میں اور اس سے زائد رضاکارانہ صورت میں قائم فرمادیئے' اور ان سب اخراجات کے بعد بھی جو کچھ انسان کے مرنے کے وقت تک باقی رہ گیا۔ اس کو ایک خاص حکیمانہ اصول کے مطابق تقسیم کردیا کہ اس کا حق دار اسی مرنے والے کے رشتہ داروں کو اقرب فالاقرب کے اصول پر بنادیا۔ اس کو عام فقراء میں تقسیم کرنے کا قانون اس لیے نہ بنایا کہ ایسا ہوتا تو مرنے والا اپنے مرنے سے پہلے ہی اس کو جا و بے جا خرچ کرکے فارغ ہونے کی خواہش طبعی طور پر رکھتا' اپنے ہی خویش و عزیز کو ملتا دیکھ کر یہ داعیہ اس کے دل میں پرورش نہ پائے گا۔

یہ طریقہ تو کسب و اکتساب کے عام مروجہ طریقوں میں اکتناز دولت سے بچانے کا اختیار کیا' دوسرا طریقہ دولت حاصل ہونے کا جنگ و جہاد ہے' اس سے حاصل ہونے والے اموال میں وہ تقسیم شرعی جاری فرمادی جس کا ذکر کچھ سورۂ انفال میں گذرا ہے' اور کچھ اس سورت میں بیان ہوا ہے' کیسے بے بصیرت ہیں وہ لوگ جو اسلام کے اس منصفانہ' عادلانہ اور حکیمانہ نظام کو چھوڑ کر نئے نئے ازموں کو اختیار کرکے امن عالم کو برباد کرتے ہیں۔

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الاٰیۃ۔ یہ آیت اگرچہ مال فئے کی تقسیم کے سلسلے میں آئی ہے۔ اور اس سلسلے کے مناسب اس کا مفہوم یہ ہے کہ مال فئے میں اگرچہ اللہ تعالیٰ نے مستحقین کے طبقات بیان کردیئے ہیں مگر ان میں کس کو اور کتنا دیں۔ اس کی تعیین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صوابدید پر

رکھی ہے' اس لیے مسلمانوں کو اس آیت میں ہدایت دی گئی کہ جس کو جتنا آپ عطا فرمادیں اس کو راضی ہو کر لے لیں اور جو نہ دیں اس کی فکر میں نہ پڑیں' آگے اس کو اِتَّقُوا اللّٰہَ کے حکم سے مؤکد کردیا کہ اگر اس معاملے میں کچھ غلط حیلے بہانے بنا کر زائد وصول کر بھی لیا تو اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے وہ اس کی سزا دے گا۔

(سورۃ الحشر آیت ۱۵۹) معارف القرآن ج ۸ ص ۳۶۹' ۳۷۰

باب

مسائل صوم

رمضان کے روزے کے احکام

مسئلہ : رمضان کے روزے فرض ہونے کے لیے ماہ رمضان کا بحالت صلاحیت پالینا شرط ہے۔ اس لیے جس نے پورا رمضان پالیا۔ اس پر پورے رمضان کے روزے فرض ہوگئے۔ جس نے کچھ کم پایا اس پر اتنے ہی دن کے روزے فرض ہوئے۔ جتنے دن رمضان کے پائے۔ اس لیے وسط رمضان میں جو کافر مسلمان ہوا یا نابالغ بالغ ہوا۔ اس پر صرف آئندہ کے روزے لازم ہوں گے۔ گذشتہ ایام رمضان کی قضا لازم نہ ہوگی۔ البتہ مجنون مسلمان اور بالغ ہونے کے اعتبار سے ذاتی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ اگر رمضان کے کسی حصہ میں ہوش میں آجائے تو ایام رمضان کی قضا بھی اس پر لازم ہوجائے گی۔ اسی طرح حیض و نفاس والی عورت' وسط رمضان میں پاک ہوجائے یا مریض تندرست ہوجائے۔ یا مسافر مقیم ہوجائے۔ تو گذشتہ ایام کی قضا لازم ہوگی۔

مسئلہ : ماہ رمضان کا پالینا شرعًا تین طریقوں سے ثابت ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ خود رمضان کا چاند دیکھ لے۔ دوسرے یہ کہ کسی معتبر شہادت سے چاند دیکھنا ثابت ہوجائے۔ اور جب یہ دونوں صورتیں نہ پائی جائیں تو شعبان کے تیس روز پورے کرنے کے بعد ماہ رمضان شروع ہوجائے گا۔